ماھنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

January 2026





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 03 January 2026

Rajab/ Shaban1447 AH

جلد: 46 شمارہ: 03 جنوری 2026ء

رجب/شعبان: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



خیر سگالی اور خیرات دنیا مسلمانوں سے سیکھے!

مولانا عبدالہادی العمری

رمضان کی آمد کی مناسبت سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ہدیہ مبارکباد ANTONIO GUTERRE پیش کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل انتونیو گوتریش انگریزی نام نے چند گرانقدر باتیں اقوام متحدہ کے اجلاس میں کہیں، اگر چیکہ اس تقریر کو کچھ عرصہ گزر گیا لیکن تازگی ابھی تک باقی ہے، اگر یہ باتیں کسی مسجد سے پیش کی جاتیں تو طرف داری کا لیبل لگا کر اس کی اہمیت گھٹائی جاسکتی تھی یا مسلمانوں کی زیر نگرانی منعقد ہونے والے کسی جلسہ میں کہیں جاتیں تو چاپلوسی کا عنوان دے کر اس کی افادیت کم کی جاسکتی تھی، یا کسی علاقائی انجمن کے اجتماع میں کی جاتیں تو وقتی جذبات کا نام دیا جاسکتا تھا، لیکن دنیا کے ایک مرکزی فورم جس کے 193 ممالک بطور رکن کے شامل ہوں، اس کے اجتماع میں بحیثیت سکریٹری جنرل ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس کا کوئی معنی اور مفہوم ہوتا ہے اور کسی رکن ملک نے اس کی تردید نہیں کی تو گویا سبھوں نے اپنی خاموشی سے مذکورہ خیالات پر مہر تصدیق ثبت کی۔

ایک طرف اسلاموفوبیا Islamo Phobia کی میڈیائی یلغار یعنی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حقارت اور نفرت کا پروپیگنڈہ اور دوسری طرف سربراہان عالم کی مسلمانوں کے حق میں شہادت بجائے خود کئی سوالات کا اپنے آپ میں جواب ہے:

﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴾ (سورۃق:37)

اقوام متحدہ کی بنیاد ہی اس مقصد کے لئے رکھی گئی کہ عالمی جنگ سے پیدا ہونے والی صورتحال پر قابو پایا جا سکے، جس میں لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے اور مختلف علاقے اور ملک تباہ کر دیئے گئے تاکہ پھر کبھی ایسی عالمگیر تباہی سے دنیا دو چار نہ ہونے پائے، لہٰذا تمام ممالک کا ایک مشترکہ اور مؤثر ادارہ یا انجمن ہونی چاہیے جس کے ذریعہ عالمی جنگ کی سی صورت اور تباہی کو آئندہ روکا جاسکے، دعویٰ کی حد تک یہ بات درست ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے ادارہ خود اپنے غلط بنیادی پالیسی کے سبب نفاق اور چند ممالک کی اجارہ داری (Monopoly) کا مرکز بن کر رہ گیا، وہ اس طرح کہ دنیا کے پانچ ممالک کو ویٹو کا حق دیا گیا جو کہ کرۂ ارض پر طاقتور ترین ممالک تھے، امریکا، روس، چین، برطانیہ اور فرانس اس میں ایک بھی مسلم عربی یا افریقی ملک نہیں، اس کا نقصان عملی اعتبار سے یہ ہوا کہ جب کبھی کوئی ایسی قرار داد یا تجویز پیش کی جائے جسے صاحب اثر و رسوخ طاقتیں پسند نہ کرتی ہوں، وہ مذکورہ کسی ملک کی پشت پناہی سے اس قرار داد کو ناکام بنا سکتی ہیں، چاہے وہ کتنی ہی مبنی برحق ہو، جیسے اسرائیلی مظالم کے خلاف پیش ہونے والی ہر قرار داد کو امریکا نے حق ویٹو استعمال کر کے ناکام بنا دیا، عملی طور پر صرف جزوی مسائل اور ایشوز پر کوئی تجویز پاس ہو سکتی ہے جیسے کہیں سیلاب یا قدرتی آفات سے ہونے والی تباہی کے لیے ہنگامی امداد یا کہیں تعلیمی اور صحت کے مسائل میں مدد و غیرہ، یوں سارے ممالک اور قوتیں عملی اعتبار سے پانچ ممالک کے شکنجہ میں ہوتی ہیں۔ صرف ضروری حد تک ہی انہیں آزادی حاصل ہے۔ باقی امور میں طاقتور ممالک کی پشت پناہی ضروری ہے۔

اقوام متحدہ کے موجودہ جنرل سکریڑی جن کی پیدائش 30/اپریل 1949ء پرتگال کے شہر لشبونہ میں ہوئی، وہیں ان کی تعلیم مکمل ہوئی، لشبونہ سے الیکٹرک انجنیئرنگ کی ڈگری حاصل کی، مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ 1995ء تا 2002ء پرتگال کے وزیر اعظم کا منصب سنبھالا، جنوری 2017ء سے تاحال اقوام متحدہ کے پروقار منصب جنرل سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہیں۔ وہ خود اگرچیکہ ایک مسیحی رومن کیتھولک گھرانہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مختلف مناسبتوں سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اپنے متوازی بیانات اور معتدل مؤقف کے سبب احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ فلسطین میں اسرائیلی مظالم کے خلاف وقتاً فوقتاً آواز بلند کرتے رہے ہیں کہ حماس کے اقدامات کو بنیاد بنا کر عام فلسطینیوں کے قتل عام کی ہرگز گنجائش نہیں، اسرائیلی حکومت وہاں فلسطینیوں کی نسل کشی کی مرتکب ہو رہی ہے، یہ اور بات ہے کہ جنرل سکریڑی کے ذاتی خیالات کے برعکس اقوام متحدہ کے اجلاس میں جب بھی اس مسئلہ پر سنجیدہ بحث ہوئی، دنیا کی سپر پاور طاقت امریکا نے حق ویٹو استعمال کرتے ہوئے اس آواز اور قرار داد کو ناکام بنا دیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اقوام متحدہ جس قرار داد پر عمل کرنے میں ان کی اپنی مصلحت ہو فوری وہ منظور کرلی جائے گی اور اقوام متحدہ کی چھتری تلے اس پر عمل درآمد بھی ہوگا، اور اگر ان ممالک کی مصلحت نہ ہو تو یا تو قرار داد پاس ہی نہیں ہوتی اور اگر

ہو بھی جائے تو اس پر عمل نہیں ہوتا، کئی قرار دادیں ایسی ہیں جو منظور تو ہوئیں، مگر سرد خانہ میں ڈال دی گئیں۔

193 ممالک جو اس وقت اقوام متحدہ کے رکن ہیں، پانچ ممالک کے عملی لحاظ سے تابع ہوتے ہیں، اس فورم کی ایک جنرل اسمبلی ہوتی ہے، سرکاری وفود اور نمائندوں کے خطابات، تجاویز وغیرہ وہیں پیش کی جاتی ہیں اور ایک مجلس خاص سیکیوریٹی کونسل ہے جس کے مستقل پانچ ممبرز ہیں اور کبھی اعزازی طور پر کسی کو عارضی رکنیت دی جاتی ہے، یوں یہ ادارہ آزادی کے نام پر غلامی اور تحفظ حقوق کے نام پر استحصال کا مرکز ہے، اس لئے گاہے گاہے اس اجارہ داری کے خلاف آوازیں اٹھتی رہتی ہیں کہ پانچ ممالک کی چودھراہٹ مناسب نہیں لیکن ان احتجاجی صداؤں کی حیثیت نقار خانہ میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہیں۔ پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے لیے یہ تو رواہے کہ وہ بڑے ہتھیار جنگی اسلحہ ان ممالک سے خریدیں ان کے ساتھ سمجھوتہ اور سودے بازی کریں، لیکن خود اپنے ملک میں یہ ہتھیار بنائیں، اس کی اجازت نہیں۔

ہاں معمولی نوعیت کے اسلحہ سازی کی حد تک اجازت ہوتی ہے۔ ان طاقتور ترقی یافتہ ممالک سے ہتھیاروں کی خریداری میں طرفداری مالی مفادات ، لوٹ مار خوب ہوتی ہے، ان پس ماندہ ممالک میں بااثر شخصیات کے دام لگا کر انہیں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے تیار کیا جاتا ہے. بلکہ طرفہ تماشہ یہ کہ بعض اوقات اقوام متحدہ کی دعوت پر اجلاس میں شرکت کے لئے اور بعض مدعوین کو امریکی حکومت ویزا دینے سے بھی انکار کر دیتی ہے حالانکہ طے شدہ قوانین کے مطابق اقوام متحدہ کے لیے مدعو کسی شخص کو ویزا دینے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے امریکی طاقت کا۔ بہر حال ہم بات کر رہے تھے سربراہان عالم کی شہادت کے حوالہ سے مسلمانوں کے جذبہ خیر سگالی وسخاوت کی، مسٹر انتھونیو نے کہا کہ اسلام ایک مضبوط ستون ہے۔ سلامتی عالم کے لیے، لفظ اسلام خود اپنی اصل اور مادہ کے اعتبار سے سلامتی اور امن کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے ۔مسلمان ایک ایسی قوم ہے کہ جب لوگوں نے مختلف آفتوں اور مصیبتوں کے بارے پناہ گزینوں کے لیے اپنے اپنے دروازے بند کر لئے، مسلمانوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور ہر طرح کی ان کے لیے سہولت پہنچائی، شاید اس کا ایک سبب قرآن مجید پر ان کا ایمان ہے جس میں کہا گیا اگر کوئی مشرک تم سے پناہ طلب کرے تو پناہ دیجئے تا کہ وہ اللہ کا پیغام سن سکے، پھر انہیں محفوظ ٹھکانہ تک پہنچایئے۔

﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴾ (سورۃ التوبہ:6)

قرآنی تعلیمات کے مطابق یہ خیرات وسخاوت، عفو و درگذر صرف کلمہ گو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ حکم قرآنی سب کے لیے عام ہے چاہے وہ مجبور شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

سیکرٹری جنرل نے مزید کہا کہ مسلمانوں کا کردار دنیا کی ترقی میں ناقابل فراموش ہے، چاہے وہ تہذیب و ثقافت میں ہو یا تاریخ و فلسفہ میں یا سائنسی ایجادات ہوں یا طب اور ریاضی یا آرٹ میں ، ابن سینا، الخوارزمی، الجبران وغیرہ وغیرہ کی متعدد درخشاں مثالیں موجود ہیں، جن کی کاوشوں سے دنیا کو فائدہ پہنچا، لیکن موجودہ زمانہ میں اسلام بطور دین اور مسلمان بطور کمیونٹی ان کے ساتھ سخت ناروا سلوک اختیار کیا گیا، آج کی ایک بڑھتی ہوئی آفت islamophobia اسلاموفوبیا ہے جو دنیا بھر میں ایک مخصوص طریقہ سے پھیلائی جارہی ہے، اس سے اسلام اور مسلمانوں کو حقارت اور نفرت سے دیکھا جانے لگا، نتیجہ میں ان کے ساتھ عدم مساوات کی روش عام ہو رہی ہے ، امیگریشن پالیسی میں تعصب، حصول شہریت میں سختی برتی جارہی ہے جو عالمی قانون مساوات کے منافی ہے حتی کہ عام انسانی اقدار اور عدل اجتماعی کے خلاف ہے، میڈیا کے منفی کردار نے مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن بنادی، ان کے خلاف منصوبہ بندی کے ساتھ ہونے والے پروپیگنڈہ کے شدید نقصانات ہر جگہ دیکھے جاسکتے ہیں، اور ان سب کا بنیادی سبب سیاسی مذموم مقاصد کا حصول ہے، زمانہ قدیم سے یہ روش عام رہی ہے کہ لوگوں کو مذہب کے نام پر تقسیم کر کے اپنا الو سیدھا کیا جائے۔

سابق امریکی صدر براک اوباما نے کہا کہ مسلمانوں کے ہاں محتاجوں کی مدد زکوۃ، صدقات کسی پر احسان نہیں بلکہ خوشحال لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ گردونواح کے ضرورت مندوں کی خبر گیری کریں، یہ بلاشبہ ایسا جذبہ ہے جس سے ساری دنیا کو سیکھنا چاہئے۔ دنیا کے ایک ارب سے زیادہ لوگ یونہی جذباتی طور پر اسلام سے محبت نہیں کرتے۔ اسلامی تعلیمات کے گہرے نقوش سماج پر اثر انداز ہوتے ہیں، یہاں ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہر شخص اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

کنگ چارلس نے کئی مرتبہ مسلمانوں کے جذبہ تعاون کا برملا اعتراف کیا، خود وہ چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ ہیں، برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے رمضان کی مناسبت سے اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا کہ برطانیہ میں مسلم کمیونٹی سب سے زیادہ سخاوت پسند ہے۔

The most generous community is

the Muslim Community

بہت سے غیر مسلم قائدین کے لیے یہ نکتہ نا قابل فہم ہے کہ آخر وہ کیا اسباب ہیں مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی بغیر کسی مطالبہ یا دباؤ کے خود ہی رضا کارانہ اپنی دولت کا حساب کر کے ڈھائی فی صد کار خیر میں خرچ کرتے ہیں، دراصل اس نکتہ کو سمجھنے میں دشواری اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ زکوۃ کو ٹیکس کے نظام پر قیاس کرتے ہیں، ٹیکس کی ادائیگی کے لیئے عموماً محاسب Accountant کی خدمات جاتی ہیں۔ جو آمد و خرچ کے اندارج اور ٹیکس کی بچت کے لیے ملکی قوانین کی کمزوریوں کا سہارہ لے کر ٹیکس بچانے کی راہیں تلاش کرتا ہے، اور اکثر دولت مند لوگ اور بڑے تاجر ہی ان قانونی موشگافیوں سے مستفید ہوتے ہیں، ٹیکس کی ادائیگی میں بے ضابطگیاں اور ہیرا پھیری کے ماہرین جب مسلم ساج کو دیکھتے ہیں کہ زکوۃ کے لیے وہ اپنی مرضی سے اپنی دولت کا حساب کر کے ادا کرتے ہیں، بلکہ زکوۃ کے علاوہ عام صدقات کی شکل میں مزید تعاون کرتے ہیں یہی نکتہ ان کے لیے باعث حیرت ہوتا ہے، لیکن اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے قانونی مہارت کی نہیں ایمان کی حلاوت اور عند اللہ بدلہ پر یقین کی ضرورت ہے۔

انفاق کی مثال ایک ایسے سدا بہار درخت کی ہے، جسے اندیشہ خزاں نہیں، یہ ایسا صدقہ جاریہ ہے جس کے برگ وبار سے ہر دم وہ مستفید ہوتا ہے زندگی میں جیتے جی، قبر میں اور میدان محشر میں، لہٰذا جو بھی ادنی درجہ کا ایمان رکھتا ہو، وہ خود ہی اس کار خیر میں شریک و سہیم بننا چاہے گا، کیونکہ اس مسودہ میں نقصان یا خسارہ کا کوئی اندیشہ نہیں، اسے تو خالق کائنات نے قرض سے تعبیر کیا:

﴿مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ (سورۃ البقرۃ 245:)

اس راہ میں کمیت کہ کتنا خرچ کیا جا رہا ہے اس کی اہمیت نہیں، بلکہ کیفیت کس جذبہ سے کیا جارہا ہے، اس کا وزن ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

«اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»

”تم جہنم کی آگ سے بچ سکتے ہو چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی ہو۔“ (صحیح بخاری)

بظاہر ایک کھجور کی اہمیت نہیں لیکن اس کے اخلاص کی اہمیت ہے، اگر کوئی حسن نیت سے اتنا ہی خرچ کر سکتا ہو تو اس کے لیے وہ تنکا بھی عذاب نار سے بچنے کا سہارا ثابت ہوگا۔

بجا طور پر ایک طرف مسلمانوں کا یہ اشتیاق اور ان ہی میں ایسے نیکو کار اور اصحاب خیر بھی ہیں جو اپنی دولت کا وافر حصہ اس راہ میں اس انداز سے خرچ کرتے ہیں، اپنا نام تک ظاہر کرنے کے بجائے صرف صاحب خیر کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ وہ جس ذات وحدہ لاشریک کی راہ میں یہ عطیہ دے رہا ہے وہ عالم الغیب ہے، اس کی راہ میں خرچ کی جانے والی دولت رائیگاں نہیں جاتی۔ اگر کسی کے دل میں ایمان کی یہ پختگی ہو تو پھر وہ کسی محتسب یا وصول کنندہ کا انتظار کیوں کرے گا۔

کسی کا انتظار کئے بغیر خود ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ضرورت مند کو تلاش کر کے اس تک امداد پہنچائے گا۔

اختتام رمضان کے موقع پر صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں اس کیفیت کا مشاہدہ نسبتاً آسان ہوتا ہے کہ زیر کفالت افراد خانہ کے حساب سے فطرانہ نماز عید سے قبل غریب کی چوکھٹ تک پہنچانے کے لئے امیر بے چین رہتے ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ نماز سے پہلے پہلے ضرورت مند تک اس کا یہ صدقہ پہنچ جائے، اگر اطاعت ویقین کے جذبہ کو نکال دیا جائے تو اس جستجو اور تڑپ کو کیا نام دیا جائے گا کہ خود حساب کرو، ضرورت مند کو تلاش کر کے اس کے گھر تک امداد پہنچاؤ۔ مغربی ممالک میں بڑے بڑے ناموروں کو ٹیکس چوری کے الزام میں آئے دن سزاؤں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور جن ممالک میں قانون پر عمل درآمد میں کمزوریاں ہوتی ہیں وہاں ٹیکس چوری کے گر سکھانے والے ماہرین بعوض فیس یہ خدمت انجام دیتے ہیں، یقیناً ان لوگوں کے لیئے زکوۃ کی ادائیگی اور صدقات وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا جذبہ باعث حیرت ہی ہوگا۔

ایک موقع پر مشہور عربی ٹی وی چینل الجزیرہ نے ایک دستاویزی پروگرام نشر کیا جب صدر مشرف کے دور میں حکومتی پالیسی کے تحت کئی خانگی تعلیمی ادارے متاثر ہوئے، ایک ادارہ میں زیر تعلیم وکفالت کچھ لڑکیوں کا انٹرویو دکھایا گیا۔ اس ادارہ میں تقریباً تین ہزار لڑکیاں زیر تعلیم تھیں، ان کی مکمل کفالت، رہائش، خوراک لباس، تعلیم وغیرہ سب ادارہ کے ذمہ تھی، حکومتی پالیسی کے سبب یہ اور ایسے کئی اداروں کو بند کیا جارہا تھا، بعض بچیوں نے اقوام عالم کے ضمیروں کو جھنجوڑنے والے حقائق بتائے کہ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا یہاں کا عملہ ہی ہمارے حق میں ماں اور باپ کی حیثیت رکھتا ہے، ان کے علاوہ ہم نے کبھی اپنے والدین کو نہیں دیکھا ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے ہیں، اور یہی مدرسہ ہمارا ٹھکانہ ہے اس کے سوا ہمارا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اب اس بندش کے بعد ہم کس شہر کا رخ کریں، لیکن اس واقعہ میں ناظرین کو حیرت زدہ کرنے والی اس حقیقت کا بھی ذکر کیا گیا کہ اتنی بڑی تعداد میں بچیوں کی مکمل کفالت کرنے والوں کے نام تک نہیں معلوم کہ اس طویل عرصہ سے کون مسیحا ان کی کفالت کر رہا ہے،

اللہ ایسے محسنین کو اجر عظیم سے نوازے، یہ ایک مثال ہے ان دسیوں مثالوں میں جن کے فیوض وبرکات سے ایشیا، افریقہ، امریکا، یورپ کے متعدد لوگ مستفید ہو رہے ہیں، نہ جانے کتنے ایسے عرب مخیر بھائی ہیں، خاص طور پر جن کے فی سبیل اللہ انجام دیئے جانے والے کاموں کا دسواں حصہ بھی کسی غیر مسلم کی طرف سے ہو تو اسے نہ جانے کن کن القاب اور خطابات سے نوازا جاتا، لیکن یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ ان کے ناموں سے تک دنیا ناواقف ہے، انہیں فرمان نبوی ﷺ پر یقین ہے۔

صادق مصدوق علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ يَمِينُهُ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهُ»(صحیح بخاری: 1423؛ صحیح مسلم:1031)

خفیہ طور پر صدقہ کرنے والے قیامت کے دن خصوصی سائبان میں جگہ پائیں گے۔

☆☆☆

اے ارض فلسطین

ہر ذرہ تیرا خونِ شہیداں سے ہے رنگین
پی پی کے لہو کیوں نہیں ہوتی تیری تسکین
ہر آن تیری خاک پہ انساں کی ہے توہین
اے ارض فلسطین

اکسیر ہے انجیر، نہ تریاق ہے زیتون
روتا ہوں لہو پڑھتا ہوں جو سورۂ والتین
ہر خوشۂ انگور سے رستا ہے تیرا خون
اے ارض فلسطین

یا رب یہ ترے پیارے براہیم کی بستی
آتا ہے نظر حشر کا منظر سرِ سینین
انساں کا مقدر ہے جہاں ذلت و پستی
اے ارض فلسطین

ہاتھی کو یہ حق ہے کہ وہ چیونٹی کو کچل دے
اس دور کی تہذیب میں نافذ ہے یہ آئین
چیونٹی کو نہیں حق کہ وہ اس ظلم پہ بولے
اے ارض فلسطین

ملبے تلے بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی جواں بھی
اٹھتا ہے جنازہ، نہ ہے تکفین نہ تدفین
لاشوں کے ہیں انبار میں گم باپ بھی ماں بھی
اے ارض فلسطین

یحیٰ ہیں جو مقتول تو مضروب ہیں عیسیٰ
قابض ہیں رسولوں کی وراثت پہ شیاطین
محفوظ شفا خانے، نہ مسجد نہ کلیسا
اے ارض فلسطین

دعوی ہے کہ ہیں موسیٰ و ہارون کے پیرو
انسان سمجھنا انہیں انساں کی ہے توہین
کردار میں فرعون سے بد تر ہیں مگر جو
اے ارض فلسطین

پتھر کے نہیں ہیں یہ مگر لگتے ہیں پتھر
مُردوں سے گئے گزرے ہیں سب شیخ و سلاطین
احساس نہیں ان کو گزرتی ہے جو تجھ پر
اے ارض فلسطین

بہتے ہیں لہو بن کے مسلسل مرے آنسو
جنت میں ہیں اولاد کے اس ظلم پر غمگین
تھمتے ہی نہیں دیدۂ یعقوب سے آنسو
اے ارض فلسطین

دیتا ہوں جو بیداد و ستم پر میں دہائی
مانگوں جو دعا میں تو فرشتے کہیں آمین
فریاد مری عرش معلّٰی کو چھو آئی
اے ارض فلسطین

خواجہ محمد عارف

☆☆☆

بھنوؤں کے درمیان ناک کے اوپر اگنے والے بالوں کو کاٹنے کا حکم

سوال: کیا وہ بال جو بھنوؤں کے درمیان ناک کے اوپر اُگتے ہیں، اگر بہت زیادہ ہوں اور شکل بگاڑتے ہوں، تو کیا انہیں نکالنا جائز ہے؟ خاص طور پر جب یہ بال لمبے ہوں اور نقصان دیتے ہوں؟

میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نہ کافروں کی مشابہت اختیار کرنا چاہتی ہوں، نہ ہی یہودیوں کی، نہ بناوٹ کے لیے کرتی ہوں۔

بس چہرہ بگڑ رہا ہے، اور یہ پورے بھنوؤں کے بال نہیں، بلکہ صرف وہ جو ناک کے اوپر جڑ کر آئے ہیں، یہی مجھے نقصان دیتے ہیں۔ والسلام علیکم ا "

جواب (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ):

جہاں تک ان بالوں کو نوچ کر (چمٹی وغیرہ سے جڑ سے اکھاڑ دینا) نکالنے کا تعلق ہے، تو یہ حرام ہے، کیونکہ یہ نمص میں داخل ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمص (چہرے کے بال نوچنے والی) اور جس کے لیے نوچا جائے۔۔۔ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

لیکن اگر ان بالوں کو نوچنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے مثلاً کاٹ کر یا مونڈ کر صاف کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اگرچہ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بھی حرام ہے اور نمص میں داخل ہے۔

اور بہتر یہ ہے کہ عورت ان بالوں کو چھوڑ دے، یعنی انہیں چھیڑے نہیں۔

سوائے اس صورت کے جب یہ بال اسے نقصان دیں، جیسے ان کا کوئی حصہ آنکھوں پر آ جائے، آنکھوں کو تکلیف دے، یا نظر میں رکاوٹ بنے۔ اس صورت میں اتنا حصہ کاٹنے میں کوئی حرج نہیں جو نقصان دے رہا ہو۔

☆☆☆



سورۃ الجمعہ، مدنی: ایک مختصر وجامع تعارف

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

قرآن حکیم کی یہ 62ویں سورۃ الجمعہ 11 آیات اور 2رکوع پر مشتمل ہے اور یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ۔اگرچہ کہ اس میں نمازِ جمعہ کے (بنیادی) احکام نازل ہوئے ہیں لیکن اس میں شامل مضامین کا عنوان مجموعی طور پر "جمعہ" نہیں بلکہ یہ دوسری سورتوں کی طرح علامت کے طور پر اس کا نام جمعہ رکھا گیا ہے کیونکہ اس کی آیت کریمہ 9 میں ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ....﴾ آیا ہے۔اس سورۃ کے زمانہ نزول کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ مدنی سورت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس روز نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے جس روز "سورۃ جمعہ" نازل ہوئی۔ یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام کے باب رحمت میں داخل ہوئے۔ تاریخ اسلام یہ بتاتی ہے کہ خیبر کا غزوہ سنہ 7ھ میں ہوا۔ ابن ہشام کے نزدیک مہینہ محرم کا تھا اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولی تھا۔ علاوہ ازیں سورہ ہذا کے مضامین بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ مدنی سورۃ ہے (کیوں کہ اس کے پہلے رکوع) میں یہود کو خطاب کیا گیا اور انکی نافرمانیوں ، برے کرتوت اور انبیاء کو جھٹلانے کا ذکر فرماتے ہوئے انکی ناکامی کی تصویر پیش کر دی گئی تاکہ اہل ایمان اِنکی روش سے بلکل مجتنب رہیں..... ؛ اور دوسرے رکوع میں نمازِ جمعہ کے متعلق تاکیدی حکم اور اس کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں رکوعات کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔ البتہ نمازِ جمعہ سے متعلق جو آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں یہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لانے کے فوری بعد یعنی (یہود سے متعلق آیات کے نزول سے بہت پہلے) کسی قریبی زمانہ ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ علماء تفسیر رحمہ اللہ اس سلسلہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ " نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اپنی آمد کے پانچویں روز جمعہ قائم فرمایا تھا اور اس رکوع کی آخری آیت کریمہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ صاف بتارہا ہے کہ وہ اقامت جمعہ کا (نبی کریم ﷺ کی قیادتِ متبرکہ میں) سلسلہ شروع ہونے کے بعد لازماً کسی ایسے موقع پر پیش آیا ہوگا جبکہ مسلمانوں کو دینی اجتماعات کے بارے میں اسکے تقاضے کی پوری تربیت ابھی باقی تھی، لہٰذا اس کے متعلق آداب سکھلائے گئے، اب رہتی دنیا تک ان آداب کا پاس وخیال رکھنا ہر صاحب ایمان کے لئے لازمی ہے، یعنی مسلمان دنیا کے کسی کونے میں رہتے بستے ہوں ان کے لیے فرض ہے کہ وہ نمازِ جمعہ کو اپنے اوپر، پورے آداب کے ساتھ لازم کرلیں۔

الغرض پہلے رکوع کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہود اپنی پوری کوششوں کے باجود اسلام کا راستہ روکنے میں ناکام ہوچکے تھے جو اُنھوں نے پچھلے چھ سالوں کے دوران جو کچھ کیا وہ سب رائیگاں ہوا ان کے بڑے بڑے قبیلہ تباہ ہوگئے اور ان میں کے دو قبیلوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ پھر بھی ان کی شرارت اور اسلام کے خلاف بغض وعداوت کا یہ حال تھا کہ اِن یہود نے سازش کرتے ہوئے عرب کے قبائل کو مدینہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا اور آخر کار انہیں چڑھا لائے مگر اس غزوہ 'احزاب' میں بھی ان سب نے منہ کی کھائی۔ اب صرف ان کا آخری اور سب سے بڑا گڑھ خیبر رہ گیا تھا (جہاں پر مدینے سے نکلے ہوئے یہودیوں کی بڑی تعداد جمع تھی) ان آیات کریمہ کے نزول کے وقت وہ بھی (یعنی خیبر کا علاقہ) بلاکسی غیر معمولی زحمت کے فتح ہوگیا۔ ان یہود کا، اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ اور اسلام سے ٹکرانے کا یہ انجام ہوا کہ اُنھوں نے خود یہ درخواست کی کہ ہم مسلمانوں کے کاشتکار بن کر رہنا قبول کرتے ہیں۔ اس طرح ان یہود کی اس آخری شکست نے سارے عرب میں ان کی طاقت کا خاتمہ کردیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وادیٔ القریٰ، فدک، تیما اور تبوک سب ایک کے بعد ایک کر کے اسلام کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ عرب کے سارے یہودیوں نے جو اسلام کو برداشت کرنا تو درکنار اس کا نام سننا بھی ان کو گراں گزرتا تھا اب اسی اسلام کی رعایا بن کر رہ گئے۔ ایسے موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ اس سورہ کے پہلے حصہ میں ان یہود کو پھر ایک مرتبہ خطاب فرمایا اور تین باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔ غالباً قرآن مجید میں یہود سے متعلق یہ آخری خطاب ہے۔

سورہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی صفات کے ذکر سے ہوتا ہے۔ جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ساری کائنات کا بادشاہ (بلاکسی شرکت غیرے، کسی اور کی شرکت وساجھے داری کے) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ہر نقص سے پاک ہے، اس کے فیصلے

اٹل ہوتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ اسے ٹال دے یا بدل دے کیوں کہ وہی سب پر غالب ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ان صفات کمال سے متصف ہونے کے باوجود اس کے سارے کام حکمت کے عین مطابق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہود کے اس غرور کا تذکرہ فرماتا ہے جو انہیں محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے سے روک رکھا ہے کیوں کہ رسول اللہ جس قوم سے مبعوث فرمائے گئے تھے یہ یہود کو ناپسند تھا۔ یہود کا اپنا یہ مفروضہ اور انکے دل کی جلن کا یہ اظہار تھا کہ اُمیوں میں کوئی رسول نہیں آسکتا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُمیین کا ذکر فرماتے ہوئے یہودیوں کے اس زعم باطل کو رد فرمادیا۔

لفظ اُمی کی تحقیق کرتے ہوئے حضرت علامہ ابن منظور رحمہ اللہ (ایک مشہور عالم کبیر) لکھتے ہیں کہ

" یعنی امی وہ ہے جو لکھ نہ سکے۔ زجاج کہتے ہیں کہ امی اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنی پیدائش کے وقت کی حالت پر رہے۔ جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو۔ اہل عرب کو بھی امیین کہا جاتا کیونکہ ان میں لکھنا نادر بلکہ معدوم تھا۔" (ماخوز)

اصل بات تو یہ ہے کہ "نبوت" عطا کرنا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس کے عطا کردہ فضل پر کسی کو معترض ہونے کا ذرہ برابر بھی حق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قادر و مختار ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے لہٰذا اس نے اپنی مہربانی سے بغیر پڑھے لکھے ہوے لوگوں میں ایسا رفیع الشان اور جلیل القدر رسول محترم کو مبعوث فرمایا جن کی تعلیم کے برکات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور آپکی زبان مبارک سے علوم و حکمت کے عظیم چشمہ پھوٹ رہے ہیں۔ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہ کتاب اللہ کو سنا رہے ہیں نفوس کا تزکیہ فرما رہے ہیں اور آپ کی تعلیم کے اثر سے جو لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ان کے اندر صالح تبدیلی آرہی ہے یہ سب چیزیں شہادت کے طور پر تمہارے سامنے ہیں اسے دیکھو سبق حاصل کرو...! یہ رسول صرف تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ آپ (ﷺ) کی رسالت قیامت تک کے لئے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ہے۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی کہ تم کو "تورات" کا حامل بنایا گیا تھا مگر تم نے اس کی ذمہ داری نہ سمجھی اور نہ ادا کی، تمہاری حالت اس گدھے (DONKEY) جیسی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اور اسے کچھ نہیں معلوم کہ اس نے کس چیز کا بار اُٹھائے ہوئے ہے۔ بلکہ گدھے سے بھی بدتر حالت ہے ان لوگوں کی کیوں کہ گدھا سمجھ بوجھ اپنے اندر نہیں رکھتا۔

معروف مفسر، حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا١ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ١ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

"جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسی) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

حاشیہ (1) *اَسْفَار سَفْر* کی جمع ہے، معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے اس لئے کتاب کو سفر کہا جاتا ہے (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے، جب کہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ (سورۃ الاعراف: آیت 179)

" یہ چوپائے کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص (ان) علماء کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتے۔ (تفسیر: احسن البیان)

﴿والله لا یھدی القوم الظلمین﴾

اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو۔

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو لوگ طالب ہدایت ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت معاذ اللہ کوئی ایسی کم وزن شے نہیں ہے جسے ہر شخص کی جھولی میں زبردستی ڈال دیا جائے۔ یہ تو صرف اسی شخص کو ملے گی جس کے دل میں اس کے حصول کی سچی تمنا و تڑپ ہوگی اور جو اسکے حصول کے لیے تگ و دو اور سعی بھی کرے گا!۔

تیسری چیز یہ کہ یہود اپنے آپ کو خدا کے چہیتے سمجھتے تھے اور جنت صرف اپنا حق سمجھ بیٹھے تھے اس سلسلہ میں فرمایا گیا کہ اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو تو مرنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے، حقیقت یہ ہے کہ یہ کبھی مرنے کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ یہ بُرے

اعمال کر چکے۔ ان ظالموں سے کہہ دیا گیا کہ تم جس موت سے بھاگتے ہو وہ تمہیں آکر رہے گی اور تمہیں یہ بتادیا جائے گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کر کے آئے ہو۔
دوسرے رکوع میں اہل ایمان کی تربیت فرماتے ہوئے یہ تاکید کی گئی کہ جب نماز جمعہ کے لئے پکارا (اذان دی) جائے تو اپنے کاروبار کو چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔
اور جب نماز "جمعہ" پوری ہو جائے تو اپنے حسب معمول زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، یعنی (کاروبار زندگی میں مصروف ہو کر اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی نعمتوں کے حصول کے لیے سرگرم ہو جاؤ مگر اس بات کا خوب خیال رہے کہ قدم قدم پر اللہ کو کثرت سے یاد رکھنا)۔ مختصر یہ کہ جب نماز جمعہ کے لئے بلایا جائے تو سب کام، کلام کاروبار و لین دین کو چھوڑ کر اللہ کے ذکر کے لئے مسجد کی طرف دوڑو اور جب نماز مکمل ہو جائے تو حسب معمول کاروبار زندگی کے لیے مصروف ہو جاسکتے ہو۔
علامہ محمد کرم شاہ الازھری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ " اللہ تعالی کے ذکر کو صرف نماز تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ جب بھی موقع ملے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ آپ کوئی کام کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل اور اس کے ذکر کی کثرت سے ہی فلاح دارین نصیب ہو سکتی ہے" (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 239 تا 240 حاشیہ 15،14)
آخری آیت کریمہ میں اہل ایمان کو ایک خاص واقعہ کی طرف متوجہ کیا گیا، جس میں خطبہ کے دوران کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیا، یعنی جب نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس اہم موقع پر، ایک تجارتی قافلہ آیا ان کی آواز سن کر بعض اصحاب (جو ابھی تربیت پا رہے تھے یا جمعہ کے شرائط سے مکمل طور پر واقف نہ تھے......) خرید و فروخت میں لگ گئے ﴿وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا﴾ اور آپ ﷺ کو کھڑی حالت میں چھوڑ دیا ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ انہیں تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ
دنیوی مقصد کے حصول کیلئے اُٹھ کر چلے نہ جایا کرو کیونکہ اللہ تعالی بہتر رزاق ہے یعنی سارے رزق کے خزانے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر تمہیں فکر واندیشہ کس بات کا...!؟ چنانچہ اس بارے میں ارشاد ربانی یوں ہوا،
﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا...﴾
" اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا۔ ان سے کہو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"
مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمھم اللہ لکھتے ہیں کہ
" یہ ہے وہ واقعہ جس کی وجہ سے اوپر کی آیات میں جمعہ کے احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ اس کا قصہ جو کتب حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابومالک رضی اللہ عنہم اور حضرات حسن بصری، ابن زید، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمھم اللہ سے منقول ہوا ہے، یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں شام سے ایک تجارتی قافلہ عین نماز جمعہ کے وقت آیا اور اس نے ڈھول تاشے بجانے شروع کیے تاکہ بستی کے لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ڈھول تاشوں کی آوازیں سن کر لوگ بے چین ہو گئے اور 12 آدمیوں کے سوا باقی سب بقیع کی طرف دوڑ گئے جہاں قافلہ اترا ہوا تھا۔ اس قصے کی روایات میں سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت جابرؓ بن عبد اللہ کی ہے جسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوعوانہ، عبد بن حُمید، ابویعلیٰ رحمھم اللہ وغیرہم نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے۔ اس میں اضطراب صرف یہ ہے کہ کسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ
یہ واقعہ نماز کی حالت میں پیش آیا تھا، اور کسی میں یہ ہے کہ یہ اس وقت پیش آیا جب حضور خطبہ دے رہے تھے۔ لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ و تابعین کی تمام روایات کو جمع کرنے سے صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ
یہ دوران خطبہ کا واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جہاں یہ کہا ہے کہ یہ نماز جمعہ کے دوران میں پیش آیا، وہاں دراصل انہوں نے خطبے اور نماز کے مجموعہ پر نماز جمعہ کا اطلاق کیا ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت 12 مردوں کے ساتھ سات (7) عورتیں باقی رہ گئیں تھی۔ (ابن مردویہ)
قتادہ کا بیان ہے کہ 12 مردوں کے ساتھ ایک عورت تھی (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)۔
دار قطنی کی ایک روایت میں 40 افراد اور عبد بن حُمید کی روایت میں 7 نفر بیان کیے گئے ہیں۔ اور فرّاء نے 8 نفر لکھے ہیں۔ لیکن یہ سب ضعیف روایات ہیں۔ اور قتادہ کی یہ روایت بھی ضعیف ہے کہ
اس طرح کا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا تھا (ابن جریر)۔
معتبر روایت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں باقی رہ جانے والوں کی تعداد 12 بتائی گئی ہے۔ اور قتادہ کی ایک روایت کے سوا باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا۔
باقی رہ جانے والوں کے متعلق مختلف روایات کو جمع

کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سالم مولیٰ حزیفہ، اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

حافظ ابو یعلی رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ اسطرح نکل کر چلے گئے اور صرف بارہ اصحاب رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے تو اُن کو خطاب کرکے حضور ﷺ نے فرمایا:

«والذی نفسی بیدہ لو تتابعتم حتی لم یبق منکم احد لسال بکم الوادی نارًا »

”اگر تم سب چلے جاتے اور ایک بھی باقی نہ رہتا تو یہ وادی آگ سے بہ نکلتی“ اسی سے ملتا جلتا مضمون ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے اور ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔(تفہیم القرآن جلد پنجم صفحہ 502 تا 503 حاشیہ 19)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

”اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہوگئے تھے،

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ نبی کریم (ﷺ) خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے، ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ (ﷺ) خطبہ دے رہے تھے کہ

اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا اور ڈھول باجہ وغیرہ سے اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا، بہت سے حضرات صحابہ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے جن کی تعداد بارہ بتلائی گئی ہے۔ (یہ روایت ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے)

بعض روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اس واقعہ پر فرمایا کہ اگر تم سب کے سب چلے جاتے تو مدینہ کی ساری وادی عذاب کی آگ سے بھر جاتی (رواہ ابویعلی، ابن کثیر)

امام تفسیر مقاتل کا بیان ہے کہ یہ تجارتی قافلہ دحیہ بن خلف کلبی کا تھا، جو ملک شام سے آیا تھا اور تجارِ مدینہ میں اس کا قافلہ عموماً تمام ضروریات لے کر آیا کرتا تھا اور جب مدینہ کے لوگوں کو اس کی آمد کی خبر ملتی تھی تو سب مرد و عورت اس کی طرف دوڑتے تھے، یہ دحیہ بن خلف اس وقت تک مسلمان نہ تھے بعد میں داخل اسلام ہوئے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ اور ابو مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر مظہری) یہ اسباب تھے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت تجارتی قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جزء ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا، جس سے ہر ایک کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پا سکوں گا۔

بہر حال ان اسباب کے تحت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ لغزش ہوئی جس پر حدیث مذکور میں وعید کے الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آجاتا، اسی پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی اذا راوا تجارۃ اور اسی کے سبب رسول اللہ (ﷺ) نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے۔“ (ابن کثیر: (بحوالہ معارف القرآن جلد ہشتم صفحہ 443 تا 444)

حاصل کلام: ان آیات کی روشنی میں ہم اپنے حال پر غور کرلیں، ہم سے خطبہ جمعہ اور نماز کے متعلق جو کچھ بھی کوتاہی اگر ہو رہی ہو تو اپنی اصلاح کرلیں یہی سورہ جمعہ کا اہم پیغام important message ہے۔

☆☆☆

متکبر خواہش پرست اور گناہ پر اصرار کرنے والا قرآن کی لذت وحلاوت سے محروم رہتا ہے

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"من موانع فهم القرآن والتلذذ به: أن يكون التالي مصراً على ذنب،أو متصفاً بكبر، أو مبتلي بهوى مطاع، فإن ذلك سبب ظلمة القلب وصدئه، فالقلب مثل المرآة، والشهوات مثل الصدأ، ومعاني القرآن مثل الصور التي تتراءى في المرآة."

”قرآن کو سمجھنے اور اس کے لطف و حلاوت سے محروم رہنے کی بڑی رکاوٹوں میں سے یہ ہے کہ قاری کسی گناہ پر اصرار کر رہا ہو، یا تکبّر کی صفت میں مبتلا ہو، یا کسی خواہشِ نفس کا اسیر ہو۔

یہ چیزیں دل میں تاریکی اور زنگ پیدا کرتی ہیں، کیونکہ دل آئینے کی طرح ہوتا ہے، خواہشات اس پر لگنے والے زنگ کی مانند ہیں، اور قرآن کے معانی اُس آئینے میں ظاہر ہونے والی تصاویر کی طرح۔“

(منہاج القاصدین: ص45)

☆☆☆



ایمان کی قدر و قیمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾

(سورۃ الحجرات:17)

ہر طرح کی تعریف اور حمد و ثنا اللہ رب العالمین کے لیے، بہترین اور افضل ترین درود، افضل انبیاء سیدنا محمد مصطفی ﷺ کے لیے۔ ابھی خطبہ مسنونہ کے ساتھ جو آیت کریمہ میں نے پڑھی، وہ سورۂ حجرات کے آخر سے ہے۔

رب العالمین کا ارشاد ہے کہ وہ، یعنی کچھ دیہاتی بدو، نئے مسلمان ہونے والے لوگ، اے نبی ﷺ! آپ پر احسان جتاتے ہیں، احسان چڑھاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، وہ مسلمان ہوئے، ان کے بقول، ان کے اسلام لانے کا یہ آپ پر احسان ہے، آپ ان سے فرمائیں کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ جتاؤ۔ مجھ پر احسان نہ چڑھاؤ۔ یہ کوئی احسان نہیں بلکہ اللہ نے تم پہ احسان کیا ہے کہ اس نے ایمان کی روشنی کی طرف تمہاری رہنمائی کر دی۔ یہ اللہ کا احسان ہے، تمہارا احسان نہیں ۔ اگر تم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو تو پھر یہ دعویٰ ایمان کا جو تم کرتے ہو، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایمان اللہ کی طرف سے ہے، سو یہ اس کا احسان ہے۔ حق و باطل اور کفر اور اسلام کا عظیم معرکہ ہماری تاریخ میں پہلی بار جنگ بدر کے عنوان سے شروع ہوا۔ ویسے تو حق و باطل اور اسلام و کفر کی جنگ پرانے زمانے سے جاری ہے، یہ آپس میں ٹکراتے رہے ہیں، کیونکہ اسلام ہی اصل دین ہے، جو شروع سے چلا آرہا ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے، وہ باطل ہے، اس کے سوا، اس سے ہٹ کر جو کچھ ہے، وہ غلط ہے، ناحق ہے اور باطل ہے اور ان کی کشمکش آپس میں چلتی آرہی ہے۔

حق و باطل کا معرکہ کبھی نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی شکل میں سامنے آیا ، یہ معرکہ، یہ آویزش اور یہ کشمکش، نمرود اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم اور ان کے خاندان کے باہمی ٹکراؤ سے حق و باطل کی کشمکش کا معرکہ بپا ہوا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق و باطل کا معرکہ ہوا اور اسی طرح چلتا چلتا یہ نبی کریم ﷺ کے دور تک پہنچا اور آپ کے دور میں بھی حق و باطل کا معرکہ بلکہ معرکے ہوتے رہے، جن میں سے پہلا معرکہ جنگ بدر کا تھا۔ جنگ بدر میں کافروں اور قریشیوں کے مقابل جو لوگ کھڑے ہوئے۔ وہ مصائب کی اور ظلم کی چکی سے گزر کر آئے تھے۔ آزمائشوں سے گزر کر آئے تھے اور ان آزمائشوں، ان مصائب اور اس ظلم نے ان کو سونے سے کندن بنا دیا تھا۔ چمکا دیا تھا۔ آزمائشوں اور مصائب کی بھٹی نے ان کو اصلی سونا بنا دیا تھا اور اس کی وجہ سے وہ دین کی قدر کرنے والے بھی تھے، کیونکہ انہوں نے اس کے لیے Pay کیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے قیمت ادا کی تھی۔ اپنی جانوں کی شکل میں، اپنے جسموں کے اوپر گزرنے والے ظلم کی شکل میں، اذیتوں کی شکل میں، نبی اکرم ﷺ سے لے کر ان صحابہ تک سب نے اپنے ایمان کی قیمت ادا کی تھی اور اس وجہ سے وہ ایمان کی قیمت جانتے تھے اور اسے اللہ کا احسان مانتے تھے۔ ان لوگوں کے برعکس جن کا اس آیت میں ذکر ہوا۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت ہیں لیکن ان میں سے سب سے بڑی نعمت کونسی ہے؟ سب سے بڑی دولت، ہدایت کی دولت ہے، وہ ایمان ہے اور اسلام ہے۔ اس لیے کہ وہ صرف دنیا میں کام نہیں آتا۔ آخرت جو ہمیشہ کا گھر ہے، وہاں بھی کام آئے گا۔ وہاں کی کامیابی کی بنیاد ایمان ہے۔ اسلام اور دین ہے۔ دین کو اپنانا اور دین پر چلنا، وہاں کی کامیابی ہے اور دین پر چلتے وہ ہیں جو دین کی قدر دل میں رکھتے ہیں، دین کی قدر پہچانتے ہیں اور اس کی قدر وہی پہچانتے ہیں، جنہوں نے اس کے لیے کچھ قیمت ادا کی ہو۔ ہم نے کیا قیمت ادا کی؟ ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں۔ اللہ نے فضل کیا، مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا۔ کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس لیے دین کی صحیح قدر شاید ہم نہیں پہچانتے۔ قدر پوچھنی ہے تو پہچاننے والوں سے پوچھو، بلال سے پوچھو، صہیب سے پوچھو، عمار سے پوچھو، یاسر سے پوچھو۔ رضی اللہ عنہم انہیں پتا ہے کہ ایمان کی دولت کیا چیز ہے، جس کے لیے سب کچھ لٹایا جا سکتا ہے، جس کے لیے سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے، جس کے لیے جسم کٹوائے جا سکتے ہیں، جس کے لیے اذیتیں سہی جا سکتی ہیں۔ سو دین کی قیمت پوچھنی ہے تو ان سے پوچھو، وہ بلال رضی اللہ عنہ جنہیں ایمان لانے کی پاداش میں رسیاں باندھ کے مکے کی گلیوں کے اندر گھسیٹا گیا، وہ جانتے ہیں، اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اس کی قیمت کیا ہے؟ جن کے سینے پر بھاری پتھر رکھ کے انہیں کہا گیا، اٹھنے نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اپنے دین کو چھوڑ نہ دو اور اس حالت میں بھی

انہوں نے ایک ہی نعرہ لگایا، احد احد، اللہ ایک ہے، اس کو ایک ہی کہتے رہیں گے۔ دین صرف اسلام ہے، اسی کو اپناتے رہیں گے اور کسی دین کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھو کہ دین کم از کم اتنا قیمتی تو ہے کہ اس کے لیے زندہ بدن کو انگاروں پر جلتے ہوئے کوئلوں پر بھی لٹایا جا سکتا ہے، تڑپنے کے باوجود انہیں اٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کہتے ہیں، جب تک میرے جسم سے نکلنے والے خون نے نکل کر آگ کو ٹھنڈا نہیں کیا، ظالموں نے مجھے اٹھنے نہیں دیا، وہ اللہ کے دین پر قائم رہے، اس لیے کہ اس کی قدر پہچانتے تھے، اس کی قیمت جانتے تھے اور وہ قیمت انہوں نے ادا کی تھی، ان سے پوچھیے، اگر دین کی قدر جاننی ہے، دین کی قدر عثمان سے پوچھو، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بات نہیں کر رہا، یہ دوسرے عثمان ہیں، یہ بھی ابتدائی دور میں ایمان لانے والے ہیں، چونکہ مسکین تھے تو ظالموں نے ان کو منہ پہ مارا اور اس بے دردی سے منہ پر مارا کہ ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ مارنے والے نے کہا، اب تو سبق ملا، اب تو پتہ چلا، اب تو معلوم ہوا کہ اس نئے دین کو اختیار کرنے کی کیا سزا ہے؟ کتنا اس دین کو ہم قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ تم نے اس دین کے لیے اپنی آنکھ گنوا دی۔ جواب کیا تھا؟"وَاللهِ إِنَّ عَيْنِي الصَّحِيْحَة لَفَقِيْرَةٌ إِلَى مَا أَصَابَ أُخْتُهَا فِي اللهِ"(أسد الغابة: 3/ 589-590) اللہ کی قسم کھا کے کہا کہ جو میری آنکھ بچ گئی ہے، جو صحیح ہے، وہ بھی محتاج ہے اس چیز کی کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں اسی طرح ختم ہو جائے۔

یہ تھے وہ لوگ جو جانتے تھے، دین کیا ہے؟ دین کی قدر کیا ہے؟ اس کے لیے قیمتیں انہوں نے ادا کی تھیں، اپنے جسم سے اذیتیں سہہ کر تکلیفیں اٹھا کر اور خود رسول اکرم ﷺ، طائف کے موقع پہ جس طرح آپ کا پیچھا کیا گیا۔ پتھر مارے گئے۔ زخمی کیا گیا۔ پاؤں، قدم، ٹانگیں لہولہان ہوئیں۔ بیٹھتے تھے تو پھر اٹھنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔ چلائے جاتے تھے۔ اوباش لڑکے جو آپ کے پیچھے لگائے گئے تھے۔ وہ بغلوں میں ہاتھ دے کے زبردستی اٹھاتے تھے۔ چلنے پر مجبور کرتے تھے۔ چلتے تھے تو پھر پیچھے سے پتھر مارتے تھے۔ دین کی قیمت آپ نے بھی ادا کی۔ غار میں کی، شعب ابی طالب میں کی، بدر میں کی، جنگوں میں کی، مگر دین پر قائم رہے۔ مصیبتیں سہیں۔ مصائب برداشت کیے، اپنی اور اپنے صحابہ کی اذیتیں دیکھیں اور سہیں، ان کے باوجود خود بھی دین پر چلے اور لوگوں کو بھی دین پر چلایا اور دین کی قدر سکھائی۔

ان مصائب سے گزرتے ہوئے صحابہ کو حکم یہ تھا اللہ تعالیٰ کا کہ﴿ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ ﴾ظلم کے مقابلے میں اپنے ہاتھ باندھ کر رکھو، اپنے ہاتھ استعمال نہ کرو، یعنی اس کا جواب نہ دو، اس میں مصلحت تھی، یہ نہیں کہ اسلام خاموشی سے ظلم سہنا ہی سکھاتا ہے، ایسی بات نہیں ہے، لیکن تربیت ہو رہی تھی اور اس میں مصلحت تھی۔ کوئی باقاعدہ Force نہیں تھی، کوئی باقاعدہ جماعت نہیں تھی، کوئی اسلحہ نہیں تھا، کوئی ذرائع نہیں تھے، مقابلہ کرنے کے لیے۔ اس لیے کہا: ﴿ كُفُّوْ أَيْدِيَكُمْ﴾ ابھی اپنے ہاتھوں کو باندھ کر رکھو۔

پھر وقت آیا تو قتال کا، جہاد کا حکم آ گیا۔ مدینے میں ہجرت ہو گئی۔ ایک Center، ایک مرکز، ایک جگہ، ایک ملجا اور ایک ماویٰ مل گیا، انصار جیسے جاں نثار ساتھی مل گئے، وسائل مل گئے، تھوڑا بہت اسلحہ وغیرہ، سواریاں اور جنگ میں لڑنے کی وہ قوت مل گئی، جو مکے میں نہیں تھی۔ پہلے حکم تھا:﴿ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ﴾ (سورة النساء: 91)

ہاتھ باندھ کے نمازیں پڑھتے رہو بس صبر کرو۔

پھر وقت آیا تو فرمایا:﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ (سورة البقرة: 216)

تم پر قتال اور جہاد لکھ دیا گیا، یعنی فرض کر دیا گیا، کیونکہ اب تیار ہو گئے تھے۔ اب تم تیار ہو گئے ہو، تم ایک چٹان ہو۔ مصائب کی بھٹی سے گزر کر آئے ہو۔ ایک چٹان بن گئے ہو۔ اب ظالم اور ظلم ٹکرائے گا، تو پاش پاش ہو جائے گا۔ ایسا ہی ہوا، جنگ بدر میں تین سو تیرہ تربیت یافتہ، مصائب سے گزرے ہوئے، تربیت یافتہ لوگ کھڑے تھے، جن کی مدد کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعائیں بھی تھیں، آپ نے دعائیں کیں، اللہ سے مانگا، رو رو کے مانگا، اللہ ہی سے مانگا، کسی اور سے نہیں مانگا۔ اللہ نے مدد بھیجی، فرشتے بھی آئے، اللہ کی مدد بھی آئی۔ آپ کی دعا کیا تھی؟ دعا یہی تھی کہ تیرے دین کو اپنانے والے اور دین کی قیمت جاننے والے یہ تھوڑے سے لوگ میں نے تیار کیے ہیں۔ اگر یہ ختم ہو گئے تو روئے زمین پر تیری عبادت کون کرے گا؟ اس طرح کے الفاظ تھے۔ یہ وہ ہیں کہ جن سے جب مشورہ کیا گیا، پوچھا گیا کہ بھئی ہماری تعداد کم ہے، مدینے میں رہ کے اپنا دفاع کرنا ہے یا کھلے میدان میں باہر نکل کر مقابلہ کرنا ہے؟ تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب یہ تھا، حضور آپ میدان میں نکلنے کی بات کرتے ہیں۔ اگر آپ سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں، ہم دین کے دفاع کی خاطر اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس لیے کہ دین ہمارے نزدیک قیمتی ہے۔ ان میں عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جیسے جانباز بھی شامل ہیں۔ خود بدر کی لڑائی میں تھے، اسی لڑائی میں پاؤں کٹ گیا۔ اس سے خون نکل رہا تھا۔ کمزوری بدن میں آ گئی۔ نبی اکرم ﷺ ساتھیوں کا معائنہ کرتے کرتے گزرے تو یہ زمین پر پڑے تھے، پاؤں سے خون نکل رہا تھا، پاؤں کٹا ہوا تھا، آپ ﷺ پیار سے، شفقت سے نیچے بیٹھے۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست شفقت سے، وہ جو زمین کی گرد اور خاک، میدان جہاد کی خاک چہرے پر لگی تھی۔ اپنے دستِ شفقت سے آپ نے صاف کی، لیکن اس وقت بھی ان کو فکر کس بات کی تھی؟ اس وقت جبکہ وہ نزع کے عالم میں تھے، دنیا اور آخرت کی دہلیز پہ کھڑے تھے۔ موت کے دروازے پر کھڑے تھے، شہادت قریب تھی مگر فکر کس بات کی تھی؟ بیوی کی؟ بچوں کی؟ گھر کی؟ مال کی؟ نہیں! کہا:

اللہ کے رسول! ایک بات مجھے بتادیں، تاکہ میں تسلی کے ساتھ دنیا سے جاؤں۔ کیا اللہ مجھے شہید شمار کرے گا یا نہیں کرے گا؟ جواب کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلٰی وَأَنَا شَاهِدٌ» میرے پیارے! میرے جانثار! کیوں نہیں، میں گواہ ہوں، میں اللہ کا نبی گواہ ہوں کہ تم اللہ کے راستے پہ شہید ہو۔ (سیرت ابن ہشام:2/24)

اس میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ جیسے جانباز بھی شامل ہیں، دین کی قدر کرنے والے، دین کے لیے قربانیاں دینے والے، دین کو قیمتی سمجھتے ہوئے، اس کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، احد کی جنگ میں شہید ہوئے۔

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو ساتھیوں نے چاہا کہ اونٹ پر لاد کے واپس مدینے لے جائیں، وہاں ان کو دفن کیا جائے۔ اونٹ پر لادا، اونٹ کو اٹھایا، اس کو چلنے کے لیے کہا، مارا، پیٹا، کوڑے مارے، مگر اونٹ چلتا ہی نہیں تھا۔ دو قدم چلتا تھا تو واپس آ جاتا تھا۔ بڑی کوشش ہوئی، مگر اونٹ نے چلنے سے انکار کیا، نہیں چلا۔ حیران ہو کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسئلہ پیش ہوا کہ حضور اس طرح کی بات ہوئی ہے، یہ اونٹ چلتا نہیں ہے، ہم اس کی لاش لے کے جانا چاہتے ہیں۔ فرمایا، پتہ کرو، اللہ کے نبی تھے، وحی بھی آئی تھی، فرمایا، پتہ کرو کہ گھر سے چلتے ہوئے اس نے کوئی دعا تو نہیں کی؟ کی ہے تو کیا کی ہے؟ ادھر ادھر سے پوچھا، جاننے والوں نے کہا، ہاں دعا تو کی تھی، گھر سے نکلتے ہوئے کہا تھا:

«اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ، وَلَا تَرُدَّنِي إِلَى أَهْلِي» (شهداء أحد: ص 480)

”یا اللہ! تیرے راستے میں نکل رہا ہوں، واپس اس گھر میں لوٹ کے آنا نہیں چاہتا، شہادت چاہتا ہوں۔“ اللہ مجھے واپس نہ لے کر آنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دعا قبول ہو چکی ہے، اب یہ اونٹ نہیں چلے گا، اس کو یہیں دفن کر دو۔ یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے دین کے لیے قربانیاں دیں، اس لیے کہ وہ دین کو قیمتی سمجھتے تھے۔

اور پھر ان میں شامل ہیں، عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جیسے صحابی، جنگ سے پہلے اپنے دوست سے کہا، اسی جنگ احد کی بات ہے شاید، اپنے دوست سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا، میں بھی دعا کرتا ہوں، تم بھی دعا کرو۔ تم دعا کرو، میں آمین کہتا ہوں۔ میں دعا کروں گا، تم بھی آمین کہنا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، پہلے میں دعا کرتا ہوں، اس نے شہادت کی دعا کی، آپ نے کہا: آمین۔ اللہ تمہیں اپنے راستے کا شہید بنائے۔ اب میں دعا کرتا ہوں۔

یا اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت دے دے اور شہادت کے بعد میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ میرے کان، میری ناک، میرے اعضاء کاٹے جائیں۔ اسی حالت میں تیرے سامنے کل قیامت کے روز پیش ہو جاؤں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے پوچھے، عبداللہ میں نے دنیا میں تجھے بھیجا تھا، کان بھی تھے، ناک بھی تھی، سب کچھ تھا، کہاں گم کر کے آئے ہو، کہاں گنوا کے آئے ہو؟ اور میں بس اتنا کہوں کہ سب تیرے راستے میں کاٹے گئے۔ تیرے ہی راستے میں کاٹے گئے تھے۔ (مستدرک حاکم:2409) یہ ان کی دعا تھی کہ شہادت کے بعد بھی، مر کر بھی، شہادت قبول کر کے بھی وہ مزید پیش کرنا چاہتے تھے، یعنی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کے بعد جسم بھی کاٹا جائے، اس کا مثلہ بھی کیا جائے، اس کے ٹکڑے بھی کیے جائیں، وجہ یہ کہ وہ دین کی قدر و قیمت جانتے تھے، دین کی قیمت پہچانتے تھے۔ ہمارے لیے سبق کیا ہے؟ دین کی قدر کریں، یہ ہمیں مفت میں ملا ہے، اس کی قدر کریں۔ ان کے لیے شاید مشکل نہیں تھا، قدر کرنا، اس لیے کہ انہوں نے قیمت ادا کی تھی۔ ہمارے لیے اس لیے مشکل ہے کہ ہم نے قیمت ادا نہیں کی، لیکن اس کی قدر پہچانیں، دین کی عظمت پہچانیں، یہ وجۂ نجات ہے، یہ جنت میں جانے کا سبب ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

دین کو اپنانا، اس پر چلنا، اس کی بڑی قیمت ہے، اس کی بڑی قدر ہے۔ تو قرآن نے کہا کہ تم نے کس طرح سمجھ لیا، کیسے سمجھ لیا کہ تم سیدھے جنت میں جاؤ گے؟ تمہیں تو ابھی وہ تکلیفیں، وہ مصیبتیں، وہ آزمائشیں نہیں پہنچی ہیں، جو تم سے پہلے لوگوں کو پہنچیں اور اس سے وہ گزرے، اس قیمتی خزانے کو، جسے دین کہتے ہیں، جسے اسلام کہتے ہیں، جسے ایمان کہتے ہیں۔ اس قیمتی خزانے کے قدردان شروع سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے سے، اس کی قیمتیں ادا کرتے آئے ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایسے بھی تھے جن کے زندہ جسم لوہے کے کنگھیوں سے یا کنگھوں سے چیرے اور نوچے گئے۔ ان کا زندہ گوشت نوچا گیا۔ جرم یہ کہ مسلمان کیوں ہوئے؟ اسلام کیوں لائے؟ دین اور نبی کو کیوں قبول کیا؟ وہ

بھی تھے، جن کو لکڑی کی طرح، لکڑی کے بڑے ٹکڑے کی طرح، آرے کے ساتھ چیر کر دو ٹکڑے کیا گیا۔ دین کی قیمت اس طرح بھی ادا ہوئی اور نبی کریم ﷺ کے زمانے کی طرف لوٹتے ہوئے، پھر میں کہتا ہوں۔ یہ دین کی قدر جاننے والے اور دین کے حوالے سے ملنے والی جنت کی قدر جاننے والے لوگ تھے ، وہ تو جب تیر لگتا تھا، خود کو کامیاب سمجھتے تھے،ایک صحابی کو تیر لگا، خون کا فوارہ جسم سے نکلا، موت سامنے نظر آئی مگر شہادت کو گلے لگانے سے پہلے دو لفظ کہے:

«فُزْتُ وَرَبِّ الكَعْبَةِ» (صحيح بخاری: 2801)

کعبے کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ کامیاب ہو گیا میں، تیر کھا کر، خون نکلوا کر، مر کر، شہادت قبول کر کے کامیاب ہو گیا۔ وہ جانتے تھے ، دین کی قدر اور دین کے حوالے سے ملنے والی جنت کی قدر۔ اسلم اسدی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کو دیکھ لو، جنگ میں خطرناک مقام کی طرف بھاگے جا رہے تھے، جہاں مرنے کا، شہادت کا خطرہ اور خدشہ بہت زیادہ تھا۔ ان کے دوست تھے، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، انہوں نے انہیں روکا۔ انہوں نے کہا، یہیں لڑنا ہے، اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہو، یہیں کھڑے ہو کر لڑو۔ دوڑ کے خطرے کے مقام پہ جانے کی وجہ کیا ہے؟ کیوں جا رہے ہو؟ نہ جاؤ، راستے میں کھڑے ہو کر آگے سے ان کو روکتے ہیں، انہوں نے کیا کہا ؟

"يَا سَلَمَةُ، إِنْ كُنْتَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتَعْلَمُ أَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ، وَالنَّارَ حَقٌّ، فَلَا تَحُلْ بَيْنِي وَبَيْنَ الشَّهَادَةِ." (صحيح مسلم: 1807)

میرے دوست سلمہ! اگر تم واقعی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے مسلمان ہو اور تم جنت اور دوزخ کو حق مانتے ہو، تو وہ دونوں یقیناً سامنے آئیں گی۔ جنت بھی آئے گی، دوزخ بھی آئے گی۔ یہ چیزیں حقیقی ہیں ، فرضی نہیں ہیں۔ اگر ان سب کو مانتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ صحابہ کے نزدیک دین کی قیمت کیا تھی؟ جنت کی قیمت کیا تھی؟ رب کی خوشنودی کی قیمت کیا تھی؟ ان کی قربانیوں سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ اگر وہ یہ قربانیاں نہ دیتے، وہیں ساری بات دفن ہو جاتی، ختم ہو جاتی۔

ہمارے لیے تو نسبتاً بہت آسانیاں ہیں۔ زیادہ آزمائشیں نہیں ہیں، زیادہ تکلیفیں نہیں ہیں۔ کوئی غربت کی تکلیف آ گئی، کوئی بیماری آ گئی، کوئی اور مصیبت آ گئی۔ ان مصیبتوں کے مقابلے میں، اِن آزمائشوں کے مقابلے میں، اِن کی کیا حیثیت ہے؟ جن سے وہ گزرے؟ تو محض ایمان کا یا کوئی اور دعویٰ کرنے کی بجائے، عملاً دین کو اپناؤ، دین کی قدر کرو اور اس کو اپناؤ۔ دعوے نہ کرو۔

قرآن نے کہا:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (سورة النور: 53)

کچے ایمان والے، منافق، نئے ایمان والے، جن کے دل میں ایمان اترا نہیں ہے، جنہوں نے ایمان اور اسلام کی قدر نہیں جانی، وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اے نبی! آپ حکم تو دیں، ہم اپنے گھر بار، مال و منال اور اولاد سب چھوڑ کر نکل جائیں گے ، جدھر آپ فرمائیں گے۔ آپ حکم دیں، فرمایا:

﴿لَّا تُقْسِمُوا﴾ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔ کیا کرو؟

﴿طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ﴾ بس اللہ کی مان کر، اللہ کے دین کی مان کر چلو، اپنی زندگی میں چھوٹے بڑے احکام، بڑی بڑی قربانیوں سے ہٹ کر، جو عام احکام ہیں، دین کے، نماز، روزہ اور فرض، ان کی ادائیگی کرو، ان کو اپناؤ، ان پر چلو۔ یہ کافی ہے تمہارے لیے۔ مال و منال، گھر بار چھوڑ کر نکل جانے والی بات تم سے نہیں ہے، تم سے یہ مطالبہ ہم نہیں کرتے۔ جو دین کے عام احکام ہیں، روزمرہ زندگی میں جو دین کے احکام ہیں، ان پر چلو۔ یہی تمہارے لیے کافی ہیں۔ تو دین کی قدر کریں، دین کی قدر پہچانیں۔ دین بڑا قیمتی ہے، سو اس کے احکام پر چل کر اپنی آخرت کی کامیابی کو یقینی بنائیں۔

☆☆☆

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” اگر تم درست عقیدہ سیکھنا چاہتے ہو تو تم پر لازم ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتب کی طرف رجوع کرو۔“ (تفسیر سورۃ الأنعام، ص139)

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں عمومی طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم الجوزیہ کی کتابوں کی نصیحت کرتا ہوں۔

ان کی تمام کتابیں، چاہے اصول (عقیدہ) میں ہوں یا فروع (فقہی مسائل) میں، سب فائدہ مند ہیں۔“ (سلسلۃ الهدى والنور، شریط: 539)

☆☆☆

سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

جب تمہیں کوئی پسندیدہ چیز ملے تو "الحمدُ لِلّٰهِ" بہت زیادہ کہا کرو۔ اور جب کوئی ناپسندیدہ موقع آئے تو " لا حول ولا قوة إلا بالله" بہت زیادہ کہا کرو۔ اور جب رزق میں دیر محسوس ہو تو ’استغفار‘ بہت زیادہ کیا کرو۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”میں نے اس نصیحت سے بہت فائدہ اٹھایا۔“ (المجالسة وجواهر العلم: 1797)

☆☆☆



ضرورت سے زیادہ کھانا ناپسندیدہ عمل

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَإِنّ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ» (صحيح بخارى، كتاب الأطعمة، المؤمن يأكل في معى واحد: 5393-صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد: 2060)

”یقیناً مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ، ثُمّ أُخْرٰى فَشَرِبَ حَتّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمّ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمّ أَمَرَ بِأُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي وِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء: 2063-سنن ترمذى، أبواب الأطعمة، باب ما جاء أن المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء:1819)

”رسول اللہ ﷺ نے ایک مہمان کی مہمان نوازی کی اور وہ مہمان کافر تھا، رسول اللہ ﷺ نے بکری کا دودھ نکال کرلانے کا حکم فرمایا، دودھ نکال کرلایا گیا تو وہ پی گیا، پھر دوسری کا لایا گیا تو وہ بھی پی گیا، یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر اگلی صبح اس نے اسلام قبول کرلیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بکری کا دودھ لانے کا حکم فرمایا(وہ لایا گیا) تو اس نے پی لیا، پھر آپ ﷺ نے دوسری بکری کا دودھ منگوایا لیکن وہ سارا نہیں پی سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔“

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مِعَاءٌ سے مراد معدہ ہے، اوراس کا معنٰی یہ ہے کہ کافر اس بندے جتنا کھاتا ہے جس کے سات معدے ہوں، جبکہ مومن ایک معدے والے بندے جتنا کھاتا ہے۔ راقم کی نظر میں اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن چونکہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک تو اس کے کھانے میں برکت ڈال دیتا ہے اور دوسرا یہ کہ شیطان بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے بھاگ جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہے کہ جو بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھاتا اس کے ساتھ شیطان بیٹھ جاتا ہے، جبکہ کافر کا بسم اللہ پڑھنا تو کجا اسلام سے ہی چنداں واسطہ نہیں ہوتا، اس لیے اس کا کھانا بھی بے برکت ہوتا ہے اور شیطان بھی اس کے ساتھ شریک رہتا ہے، تبھی وہ سات سات آدمیوں کا کھانا اکیلا ہی کھا جاتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثّمَانِيَةَ.»(صحيح مسلم: 2059

”ایک بندے کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے، دو کا چار کو کافی ہو جاتا ہے اور چار کا آٹھ کو پُورا آجاتا ہے۔“

یہ حدیث درحقیقت اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت کے بارے میں ہے کہ اکیلے کھانے میں وہ برکت نہیں ہے جو اکٹھے مل کر کھانے میں ہوتی ہے۔ اکٹھے مل کر کھایا جائے تو ایک شخص کا کھانا دو کو پورا آ جاتا ہے، دو آدمیوں کے کھانے سے چار آدمی سیر ہو جاتے ہیں اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کفایت کر جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيّامٍ تِبَاعًا حَتّى مَضَى لِسَبِيلِهِ. (صحيح مسلم:2970)

”رسول اللہ ﷺ نے وفات پا جانے تک مسلسل تین دِن سیر ہو کر نہیں کھایا۔“

ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ

أَكَلْتُ ثَرِيدَ بُرٍّ وَلَحْمٍ، فَأَتَيْتُ النّبِيّ ﷺ وَأَنَا أَتَجَشّأُ، فَقَالَ: «اكْفُفْ عَنّا أَوِ احْبِسْ عَنّا مِنْ جُشَائِكَ، فَإِنّ أَكْثَرَكُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُكُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» قَالَ: فَمَا أَكَلَ أَبُو جُحَيْفَةَ مِلْءَ بَطْنِهِ حَتّى فَارَقَ الدُّنْيَا، وَكَانَ إِذَا تَعَشّى لَمْ يَتَغَدّ، وَإِذَا تَغَدّى لَمْ يَتَعَشّ. (سلسلة الأحاديث الصحيحة:343)

”میں نے روٹی اور گوشت کا ثرید بنا کر کھایا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں ڈکا مار رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے سامنے (ڈکار مارنے

سے) رُک جا، یا فرمایا کہ اپنے ڈکار سے ہمیں دور ہی رکھ، کیونکہ جو تم میں سے دنیا میں بہت زیادہ سیر رہتا ہے وہ روزِقیامت تم سب سے زیادہ طویل مدت تک بھوکا رہے گا۔ اس کے بعد ابوجحیفہؒ نے دنیا سے کُوچ کر جانے تک کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا اور جب صبح کا کھانا کھالیتے تو شام کا نہیں کھاتے تھے اور جب شام کا کھاتے تو صبح کا نہیں کھاتے تھے۔"

مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَابُدَّ فَثُلُثٌ طَعَامٌ، وَثُلُثٌ شَرَابٌ، وَثُلُثٌ نَفَسٌ.» (سنن ترمذی: 2380-سنن ابن ماجه: 3349-إرواء الغليل للألباني:1983)

"آدمی اپنے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا، حالانکہ ابنِ آدم کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، لیکن اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی کھانا ہو، ایک تہائی پانی اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔"

درحقیقت کھانے کا مقصد صرف صحت اور زندگی بحال رکھنا ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس کے لیے تو چند لقمے ہی کافی ہیں، کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ وہ اپنی اس مستعار زندگی کو اس کے حقیقی مالک کی عبودیت وبندگی اور اس کے دِین کی خدمت میں کھپادے اور اُخروی امتحان کی تیاری کے لیے ملنے والی اس قیمتی مہلت کو فقط ہوائے نفسانیہ کی تکمیل میں ہی نہ ضائع کردے۔ لیکن اگر زیادہ کھانے کو جی چاہے تو اس کے لیے بھی یہ ضابطہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اپنے سارے پیٹ کو کھانے سے ہی نہیں بھر لینا چاہیے، بلکہ اس کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔

اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَطْعَمَ بَنِي آدَمَ ضُرِبَ مَثَلًا لِلدُّنْيَا فِيمَا يَخْرُجُ مِنَ ابْنِ آدَمَ وَإِنْ مَلَّحَهُ وَقَزَّحَهُ فَيَعْلَمُ إِلَى مَا يَصِيرُ.»(مسند أحمد: 136/5، سلسلة الأحاديث الصحيحة:382)

"بلاشبہ انسان کے کھانے کی مثال دنیا کے لیے یہ اس طور دی گئی ہے کہ وہ انسان سے خارج ہوجاتا ہے، اگرچہ اس نے اسے نمکین ومصالحے دار بنایا ہو لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔"

اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت

وحشی بن حرب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ، قَالَ: «فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ.» قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: «فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ.»(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الاجتماع على الطعام: 3764، سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام: 3286، سلسلة الأحاديث الصحيحة:664)

"نبی ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم کھانا کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب اکٹھے مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام بھی لیا کرو) یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو(، تمہارے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔"

بغیر دعوت کھانے میں شرکت

ابوشعیب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْجُوعَ، فَأَتَيْتُ غُلَامًا لِي قَصَّابًا وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا طَعَامًا لِخَمْسَةِ رِجَالٍ، ثُمَّ دَعَوْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَجَاءَ خَامِسَ خَمْسَةٍ وَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ، فَلَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْبَابَ قَالَ: «إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ وَإِلَّا رَجَعَ.» فَأَذِنَ لَهُ (صحيح بخاری، كتاب الأطعمة، باب الرجل يتكلف الطعام لإخوانه: 5434-صحيح مسلم، كتاب الأشربة: 2036)

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہی پہچان لیا کہ آپ ﷺ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں اپنے غلام کے پاس آیا جو قصاب تھا، میں نے اسے کہا کہ وہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کردے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی،(باقی چار لوگوں کے ساتھ) پانچویں آپ ﷺ تشریف لائے اور ان کے پیچھے ایک اور آدمی آگیا، جب رسول اللہ ﷺ (ہمارے گھر کے) دروازے کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ آدمی ہمارے پیچھے چلا آیا ہے، سو اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو، وگرنہ یہ واپس چلا جائے گا۔ چنانچہ) صاحب خانہ نے (اسے بھی اجازت دے دی۔"

اس حدیث سے یہ بات احاطۂ علم میں آتی ہے کہ جو لوگ دعوت پر مدعو ہوں صرف وہی کھانے میں شرکت کا حق رکھتے ہیں، اور اگر کوئی بغیر دعوت کے آجائے تو اس کے لیے اجازت لینا ضروری ہے، اگر صاحبِ خانہ اجازت دے گا تو وہ بھی شریک ہوجائے گا اور اگر نہیں دے گا تو اسے شرکت کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اسے واپس جانا ہوگا۔

کھانا کھلانے والے کے لیے دعا

عبداللہ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِأَبِيهِ وَهُوَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ، فَأَتَاهُ فَأَخَذَ بِلِجَامِهَا، فَقَالَ: انْزِلْ عَلَيَّ، فَنَزَلَ عَلَيْنَا، فَأَتَى بِتَمْرٍ وَسَوِيقٍ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمَّ يَضَعُ النَّوَى عَلَى ظَهْرِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى أَوْ عَلَيْهِمَا جَمِيعًا ثُمَّ يَرْمِي بِهِ، قَالَ: وَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمَّ أَتَاهُ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ أَوْ سَوِيقٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَاهُ الَّذِي عَلَى يَمِينِهِ، فَأَرَادَ أَنْ يَسِيرَ أَوْ يَرْتَحِلَ، فَقَالَ: ادْعُ لَنَا، فَقَالَ: «اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب وضع النوى خارج التمر واستحباب دعاء الضيف لأهل الطعام: 2042)

”رسول اللہ ﷺ میرے والد کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، تو میرے والد آپ ﷺ کے پاس آئے اور (خچر کی) لگام پکڑ کر عرض کیا: میرے گھر تشریف لائیے، تو آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ میرے والد کھجور اور ستّو لائے، آپ ﷺ انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی پُشت پر یا ان دونوں پر رکھتے گئے، پھر انہیں پھینک دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، آپ ﷺ کھانے لگے، پھر دودھ یا ستّو کا پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے نوش فرمایا اور اپنے داہنی جانب والے کو دیا، پھر جب آپ ﷺ جانے لگے تو (میرے والد) نے کہا: ہمارے لیے دعا فرما دیجیے، تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ ”اے اللہ! جو تو نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں برکت ڈال دے، انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔“

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزُورُ الْأَنْصَارَ فَإِذَا جَاءَ دُورَ الْأَنْصَارِ أَتَاهُ صِبْيَانُ الْأَنْصَارِ فَيَدُورُونَ حَوْلَهُ فَيَدْعُو لَهُمْ وَيَمْسَحُ رُءُوسَهُمْ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ، فَأَتَى النَّبِيُّ ﷺ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَسَمِعَ سَعْدٌ فَرَدَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَسْمَعِ النَّبِيُّ ﷺ رَدَّهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَرَدَّ سَعْدٌ وَلَمْ يَسْمَعِ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَزِيدُ عَنْ ثَلَاثِ تَسْلِيمَاتٍ، فَإِنْ أُذِنَ لَهُ وَإِلَّا رَجَعَ، قَالَ: فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ، وَجَاءَ سَعْدٌ مُبَادِرًا، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا سَلَّمْتَ تَسْلِيمَةً إِلَّا قَدْ سَمِعْتُهَا وَرَدَدْتُهَا عَلَيْكَ، وَلَكِنْ أَحْبَبْتُ أَنْ تُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السَّلَامِ وَالرَّحْمَةِ، ادْخُلْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَدَخَلَ فَتَحَدَّثْنَا، فَقَرَّبَ إِلَيْهِ سَعْدٌ طَعَامًا، فَأَصَابَ مِنْهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ قَالَ: «أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ.»(صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: 5177، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب زواج زينب بنت جحش: 1432)

”رسول اللہ ﷺ انصار سے ملنے جایا کرتے تھے، جب آپ ﷺ انصار کے گھروں کے پاس پہنچتے تو انصاری بچے آپ کے پاس آجاتے اور آپ ﷺ کے ارد گرد چکر لگانے لگتے۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور انہیں سلام کہتے۔ (ایک روز) سعد بن عبادہ کے ہاں تشریف لائے اور انہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سلام سنا تو رسول اللہ ﷺ کو سلام کا جواب دیا لیکن آپ ﷺ کو اس کا جواب نہ سنا، آپ ﷺ نے پھر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سُن کر جواب دیا لیکن نبی ﷺ کو پھر نہ سنا، آپ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کہا، اور نبی ﷺ تین مرتبہ سے زیادہ سلام نہیں کہا کرتے تھے، سو اگر اجازت مل جاتی (تو اندر تشریف لے جاتے) وگرنہ واپس چلے آتے۔ چنانچہ نبی ﷺ واپس آگئے اور سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: اے پیغمبرِ خدا! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے، آپؐ نے جو بھی سلام کہا ہے میں نے وہ سنا بھی ہے اور اس کا جواب بھی دیا ہے، (لیکن آہستہ جواب دینے کی وجہ یہ ہے کہ) میں چاہتا تھا کہ آپؐ مجھے زیادہ سے زیادہ سلامتی اور رحمت کی دعا دیں، اے اللہ کے رسول! تشریف لائیے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لے گئے، ہم باتیں کرنے لگ گئے تو سعدؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ کھالیا، پھر جب آپ ﷺ نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو یہ دعا فرمائی:

أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

”تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، تمہارے پاس روزے دار افطاری کریں اور فرشتے تمہیں دعائیں دیں۔“

☆☆☆

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جس طرح صدقہ مال کی زکاۃ ہے، اسی طرح بیماری بدن کی زکاۃ ہے۔ پس جس جسم کو کوئی تکلیف نہ ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ مال جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔“

(آداب الحسن البصری: 53)



محمد سرور محمدی رحمہ اللہ؛ توحید وسنت کی ایک شناخت

(قسط02)

محمد عبدالرحمٰن ندوی (سابق مبعوث مرکز الدعوۃ والارشاد، دوحہ۔قطر)

قادیانیوں اور صدیق دینداروں سے مباحثے:
محمد سرور صاحب ابتداء میں اپنی خداداد صلاحیت سے کئی بار مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں اور صدیق دینداروں سے مباحثے کیئے، وہ ان کے مراکز میں جایا کرتے اور ان کے علماء سے بحث و مباحثہ کر کے ان کے سامنے حقانیت کو پیش فرماتے۔ موصوف کو ان مذاہب کے نکات اور ان کے رد و کد میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اہلحدیث اور قادیانیوں کے درمیان منعقدہ مناظرہ، بمقام یادگیر (کرناٹک) شریک تھے جس میں اہلحدیثوں کی جیت ہوئی تھی۔

موصوف سے نالاں: موصوف بڑے حق گو تھے۔ حق گوئی ان کا خاص وصف تھا۔ حق بات کے پیش کرنے میں کسی چھوٹے بڑے، عزیز و اقارب، اپنے اور پرائے کا کوئی لحاظ نہ کرتے، کوئی بھی شرعی بات ہوتی اس کو برملا دوٹوک انداز میں پیش فرمادیتے۔ حق بات کہنے سے دریغ نہ کرتے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ آپ" لوگوں کا دل توڑ کر بات کرتے ہیں، کسی کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے، تو جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مشرک کہا ہے، اور کافروں کو کافر کہا ہے۔ اللہ نے اپنی دعوت کو لوگوں کا دل رکھ کر پیش نہیں کیا ہے۔ تو پھر میں کیوں کسی کا دل رکھنے کے لئے دین کی باتوں کو توڑ مروڑ کر غلط تاویلات کے ساتھ پیش کروں۔ مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اللہ کی بات پیش کرتے ہیں کسی سے کوئی اجرت نہیں لیتا ہوں۔ لوگوں کا دل اسی وقت خوش ہوگا جبکہ ان کی ہاں میں ہاں ملادی جائے۔"

ان کے اس انداز سے ان کے ناقدین نکتہ چینی کیا کرتے اور انہیں برا بھلا کہتے کہ سرور صاحب ہمارا دل توڑ دیتے ہیں، ہمارا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ لیکن الحمد للہ یہ حقیقت ہے کہ دعوتِ دین میں ان کی یہ دل توڑ باتوں نے سینکڑوں کو موحد بنادیا۔

موصوف کا حلیہ: موصوف چھوٹے قد، کھڑا چہرہ، گندمی رنگ کے حامل تھے۔ اتباع سنت کے دلدادہ تھے، نصف ساق پاجامہ، دراز موٹا سفید سوپ اور کالی صدری اور سرخ رومی ٹوپی۔ جو حیدر آباد کے آصفجاہی، شاہی لباس کا خاصہ تھی اور گلے میں سرخ و زردی مائل غوترہ (شال) اور پاؤں میں سیاہ جوتے اور سیاہ پاتابے، ہمیشہ زیب تن کیا کرتے تھے اور ہاتھ میں ہمیشہ خصوصی ساخت کا عصا رہتا تھا جو ان کی پہچان تھی۔ کبھی کسی بے تکلف دوست یا عزیز و رشتہ دار سے بحث کرتے تو مذاقاً انہیں اپنا ڈنڈا بتا کر کہتے کہ اب تمہیں "یہ سرور ڈنڈا' چاہیئے۔

موصوف کی داڑھی: اس پر مستزاد ان کی داڑھی تھی۔ جو تقریباً ایک میٹر لمبی گھنی و سیاہ تھی۔ یہ ان کا امتیازی نشان تھا۔ دراز داڑھی کی وجہ سے، لمبی داڑھی والے مولوی صاحب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

موصوف کی داڑھی کی حفاظت میں بڑی دقتیں پیش آتیں لیکن پوری زندگی میں انھوں نے کبھی داڑھی کا ایک بال بھی نہ تو کاٹا اور نہ اکھاڑا، داڑھی کو ہر روز تیل لگاتے، کنگھی کرتے اور اس کو سنوارتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں داڑھی کو اس طرح پالتا ہوں جس طرح اپنے بچوں کو پالتا پوستا ہوں۔ اسی لئے موصوف پیشہ سفید دراز سوپ زیب تن کیا کرتے اور اس میں اپنی داڑھی کے نصف حصہ کو چھوڑتے اور نصف حصہ ظاہر کرتے اور گلے میں دشال لپیٹتے۔

ایک بار عالم ربانی مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی حیدر آباد تشریف لائے تھے، مولانا کا قیام مشیر آباد میں ڈاکٹر محمد عبدالصمد صمدانی فاضل کے ہاں ہوا کرتا تھا۔

ان سے محمد سرور صاحب کے ایک نکتہ چین دوست عبدالرحیم باشو بھائی نے (یہ مورد نا ابوالجمیل محمد یسین صاحب کے شاگرد تھے۔ دینی خدمات میں معروف تھے۔ موٹروں کا کاروبار کرتے۔) کہا کہ، مولانا! آپ ہمارے دوست محمد سرور صاحب کو سمجھایئے کہ اپنی داڑھی کچھ چھوٹی کریں، لوگوں میں تماشہ ہیں۔ تو مولانا بستوی نے محمد سرور صاحب سے کہا کہ آپ اپنی داڑھی باہر نکالیں تاکہ ہم بھی دیکھ لیں تو موصوف نے اپنی ڈاڑھی کرتے سے باہر نکالی۔ اس کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور کہا کہ آپ نے اس کو اتنا دراز کیوں کیا ہے؟ تو سرور صاحب نے جواب دیا کہ میں نے حدیث پڑھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحَى»

"تم مونچھوں کو پست کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

میں نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اتباع کی محبت میں اس کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ سنتے ہی شیخ الحدیث بستوی آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا:

«ولا تخاف لومة لائم»

"تم کسی برا بھلا کہنے والے کی پرواہ نہ کرو۔"

ایک بار ادارۃ البحوث العلمیۃ والإفتاء والدعوۃ" کا ایک سہ رکنی وفد، مولانا عبدالحمید رحمانی کی رفاقت میں

حیدر آباد آیا ہوا تھا، ان کے سامنے محمد سرور صاحب کی داڑھی کا ذکر چھڑ گیا۔ جب ان لوگوں نے موصوف سے داڑھی دیکھنے کی خواہش کی تو انھوں نے اپنی داڑھی کرتے سے باہر نکال کر بتلائی، تو ان لوگوں کی زبانوں سے یہ کلمات نکلے : سبحان الله ، سبحان الله - ما رأى أعيننا مثله قط، ”سبحان اللہ سبحان اللہ، ہماری آنکھوں نے اس جیسی داڑھی کبھی نہیں دیکھی۔“

زندگی کے لمحۂ آخر تک اپنی داڑھی کی حفاظت کی اور اسی حال میں وہ اللہ کے پیارے ہوگئے۔ جب موت کی خبر لوگوں کو دی گی تو جو لوگ نام سے واقف نہیں تھے ان سے یہ تشریح کرنی پڑی کہ محمد افضل محمدی صاحب کے لمبی داڑھی والے بھائی محمد سرور صاحب کا انتقال ہوگیا ہے:

خدابخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

علم اور عقیدہ میں پختگی: محمد سرور صاحب نے محلہ شیر آباد کے قیام میں مولانا ابوالجمیل محمد یٰسین صاحب نصرت آبادی سے تعلیمی اور تربیتی فائدہ اٹھایا۔ پھر وہاں سے قدیم شہر کے ایک محلہ فتح دروازہ میں ذاتی مکان خرید کر منتقل ہوگئے۔ یہ محلہ اور اس کے نواحی علاقے شرک و بدعات کے گڑھ تھے ۔ پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد اپنے بڑے بھائی محمد افضل صاحب کو بھی اسی مقام پر بلالیا۔ اس پر ان کے استاذ و مربی مولا نا محمد یٰسین صاحب کو بڑا قلق ہوا کہ ان کے دونوں ہر دلعزیز جانشین شاگرد ان سے بہت دور (تقریباً 15 کلومیٹر) ہو کر شرک و بدعت کے گڑھ میں ہو پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں شاگردوں نے مولانا سے عملاً خوب فیض حاصل کیا تھا۔ مولانا نے انہیں اپنی نگرانی میں درس وخطابت کے گروں سے آگاہ کیا اور تربیت دی تھی ، یہی وجہ ہے کہ محمد افضل محمدی کا تقریری لب ولہجہ، انداز بیان اور محمد سرور صاحب کی بحث کا طرز انہیں استاذ محترم کا مرہون منت ہے۔

ان دونوں برادران نے فتح دروازہ کی ایک ویران مسجد، مسجد شعبان خان کو بڑی جفاکشی اور محنت سے آباد کیا اور وہاں جماعت اہلحدیث کا قیام عمل میں لایا، ایک سال گزرنے کے بعد اس کا سالانہ جلسہ اپنے استاذ خاص مولانا محمد یاسین صاحب کی صدارت میں منعقد کیا، جس میں کچھ علماء حیدر آباد کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جب محمد سرور صاحب اور محمد افضل صاحب دونوں برادران نے شرک وبدعت کے اس گڑھ میں اپنی دعوت و توحید کی کارگزاری پیش کی اور شرک و بدعات کی تردید میں خطاب کیا۔ جب استاذ محترم نے اپنے جانشینوں کے اس بیباکانہ کارنامے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تم خطبہ صدارت میں بھرائی ہوئی آواز میں یہ بیان کیا کہ ان دونوں کی دوری نے مجھے بڑا مغموم کر دیا تھا اور مجھے خوف تھا کہ یہ دونوں بھائی کہیں شرک وبدعات کی اس دلدل میں پھنس نہ جائیں لیکن آج مجھے خوشی ہے کہ انھوں نے شرک وبدعات کے اس قلعہ کو بخش وخوبی سر کر لیا ہے اور توحید کی دعوت کو ڈنکے کی چوٹ پیش کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ اب میں ان سے بے خوف ہوں۔ انشاء اللہ یہ جہاں بھی رہیں گے توحید کے مبلغ و داعی بن کر رہیں گے ۔ ایک مخلص مربی کی زبان سے نکلے ہوئے ان کلمات کو اللہ تعالی نے قبول فرمالیا، اور واقعی ان دونوں بھائیوں کو علمبرداران توحید بنادیا۔

مولانا ابو تمیم محمدی سے کسب فیض: مولانا ابوالجمیل محمد یاسین صاحب کے انتقال کے بعد مولانا ابو عظیم تمیم محمدی سے کسب فیض کیا۔ مولانا ابو تمیم صاحب محمدی رحمہ اللہ ایک راسخ العقیدہ، حامل کتاب وسنت، بے لوث حق گو اہلحدیث مبلغ و داعی تھے۔ توحید پر استقامت ، سنت کی اتباع ، اور تقلید شخصی سے اجتناب ان کی دعوت کا مرکزی محور تھا۔ ان کا ہر درس تقلید کی مذمت اور اس کی خرابیوں پر منحصر رہتا۔ مولانا کے درس کا ایک خاص انداز تھا۔ مرکزی کتب خانہ محمدیہ جو معظم جاہی مارکیٹ میں قائم تھا۔ اس میں ہر اتوار کو بعد نماز مغرب تا عشاء مولانا کا درس قرآن ہوا کرتا۔ جن آیات کا درس مقصود ہوتا، تختۂ سیاہ پر لکھ کر ان کی توضیح و تشریح فرماتے۔ لغوی تشریح کے بعد اس کی معنوی تفصیل میں مختلف تفاسیر کا حوالہ دیتے اور اپنے مدعا کو واضح فرماتے۔ یہ درس مولانا کے ایک ہفتہ مطالعہ کا نچوڑ ہوتا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کا درس ہوتا۔ دور دراز مقامات سے لوگ شریک رہتے اور جمعہ کے دن چیلہ پورہ کی ایک چھوٹی مسجد میں خطبہ جمعہ دیتے۔ مولانا اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے ۔ کسی دوسرے کو بہت کم موقع دیتے۔ مولانا کے درس میں جو لوگ پابندی سے شریک ہوا کرتے ، الحمد للہ وہ اپنے عقیدہ و عمل میں بڑے راسخ مانے گئے۔ کیونکہ مولانا اپنے عقیدہ و عمل میں بڑے ضرب المثل تھے۔ سنت کے خلاف کسی قسم کا جھول اور لوچ ان کے قول و عمل میں کبھی نہیں دیکھا گیا، 1973ء میں انتقال ہوا۔

محمد سرور صاحب اور ان کے بڑے بھائی محمد افضل صاحب کو مولانا ابو تمیم صاحب سے کافی حد تک فیض حاصل رہا۔ محمد افضل صاحب ہر درس میں شریک رہتے ، پھر مولانا موصوف نے ان کا ذوق و شوق اور تقریری صلاحیت اور عقیدہ و عمل کی پختگی کو دیکھ کر ان کو کتب خانہ میں بیان کرنے کی اجازت دی، پھر ان کی خواہش پر کتب خانہ میں دار التقاریر قائم کیا گیا جس کے صدر محمد افضل صاحب کو بنایا گیا۔ ان کی نگرانی میں جماعت کے مختلف اہل ذوق تقاریر کی مشق کیا کرتے تھے۔ جن میں قابل ذکر، مولانا سید عبد الحکیم صاحب (داعی مرکز الدعوۃ والارشاد، دوحہ قطر)، محمد مولانا محمدی (سابق امیر جمعیت اہلحدیث آندھرا پردیش) جناب محمد جعفر صاحب، اڈیکیٹ، جناب عبدالرشید صاحب، آئرن مرچنٹ جناب محمد

سرور صاحب شامل ہیں۔

محمدی انتساب: جناب محمد سرور صاحب اور ان کے برادر اکبر جناب محمد افضل صاحب نے اسی مناسبت سے اپنے نام کے ساتھ 'محمدی' انتساب کو پسند فرمایا اور اپنے نام کے بعد "محمدی" لکھنا شروع کیا۔ یہ انتساب غماز تھا۔ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اسم گرامی کی جانب، یعنی ہماری نسبت کسی شخصیت کی طرف نہیں بلکہ بالر است ہمارے نبی کی طرف ہے۔ اس انتساب سے مقصود یہ تھا کہ ہمارا مطاع صرف ہمارا نبی ہے۔ ہم اسی کے متبع ہیں، نبی کے سوا کوئی غیر نبی ہمارا مطاع نہیں بن سکتا۔ گویا اس انتساب میں تقلید شخصی کی مطلقاً نفی ہے۔ مولانا ابو تمیم صاحب اپنے قول و فعل اور عقیدہ میں جو صلابت رکھتے تھے، وہی اثر ان کے شاگردوں نے قبول کیا۔ اسی لئے محمد سرور صاحب اور محمد افضل صاحب اپنے قول، عمل اور عقیدہ کی صلابت میں حیدر آباد کی جماعت اہلحدیث اور غیر اہلحدیث میں معروف ہیں۔ کیونکہ جن علماء حقانی کی صحبت انہیں نصیب ہوئی اور جن سے انہوں نے کسب فیض کیا ہے، وہ بڑے حق گو، حق شناس، خود دار اور غیور موحدین تھے۔

مولانا ابو الجمیل محمد یاسین صاحب محمد افضل صاحب کو یہ نصیحت کیا کرتے کہ آپ اپنے بچوں کو خود مکتفی بنائیے، تاکہ دین کی خدمت بغیر کسی حرص ولالچ سے انجام دیں، عالم کو خود مکتفی ہونا چاہیے تاکہ اس کی بات میں اثر ہو۔ آج ہمارے علماء کرام کے ہاتھ جو بک جاتے ہیں وہ محض اپنی معاشی مجبوری کی وجہ سے ہے۔ وہ چونکہ خود مکتفی نہیں ہوتے، دوسروں کے دستِ نگر اور زیر اثر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے قول اور عمل میں تضاد پایا جاتا ہے اور صحیح بات لوگوں کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔

الحمدللہ اس بات کا اثر محمد افضل صاحب کو اس قدر ہوا کہ انہوں نے اپنی نرینہ اولاد کو خورد مکتفی بنادیا۔ اور مولانا کی ایماء پر اپنے بڑے فرزند کو دینی تعلیم میں لگایا اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو بھجوایا۔ وہاں سے فراغت کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے انہوں نے خود مکتفی ذریعہ معاش اختیار کی اور آج وہ اپنی دینی خدمات بے لوث طریقہ سے انجام دے رہے ہیں۔ مبارک محمد افضل صاحب کے تین صاحبزادے ہیں۔ محمد عبد الرحمٰن ندوی (داعی مرکز الدعوۃ والارشاد دوحہ قطر) مولا نا محمد عبداللہ (مبعوث رابطہ عالم اسلامی، استاذ جامعہ دار السلام، عمر آباد) مولانا محمد عبد الہادی (صدر القضاء الاسلامی - برمنگھم، لندن)، حیدر آباد کے یہ دونوں سلفی علماء (مولانا محمد یاسین، مولانا ابو تمیم محمدی) سرکاری ملازم تھے، سہ رشتہ تعلیم میں پیشہ تدریس سے وابستہ تھے۔ پھر وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی جز معاش آمدن پر زندگی بسر کی، کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ اور نہ کسی کی جیب پر نگاہ ڈالی۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول میں تاثیر اور عمل میں برکت عطا فرمائی تھی۔ اور یہی حال ان کے ان دونوں شاگردوں محمد سرور محمدی اور محمد افضل محمدی کا ہے۔ ان حضرات کی خدمت بھی کسی کی غرض وغایت سے بالاتر وبے نیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج حلقہ فتح دروازہ کی جماعتی ترقی اور اس کی نمایاں خدمات پورے حیدر آباد میں نمایاں اور قابل تعریف ہے۔

مرکزی کتب خانہ محمدیہ: مولانا ابو تمیم محمدی نے معظم جاہی مارکیٹ میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جو بیک وقت دینی لائبریری بھی تھی اور جمعیت اہلحدیث کا دفتر و سنٹر بھی۔ یہیں پر مولانا ہر اتوار کو درس کا اہتمام فرماتے۔ یہ کرایہ کا مقام تھا جس کا ماہانہ کرایہ جماعتی احباب کے چندوں سے ادا ہوتا تھا۔

مولانا ابو تمیم صاحب نے بڑی جدوجہد کے بعد، بی بی بازار کٹہ تالاب میر جملہ، میں جماعت کے تعاون سے، جماعت کے لئے ایک جائیداد خریدی اور وہیں پر یہ کتب خانہ اور جماعت کا دفتر و سنٹر منتقل کر دیا گیا، اسی میں مولانا اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دروس اور اجتماعات کا اہتمام فرماتے رہے۔ مولانا کے انتقال کے بعد ایک عرصہ تک وہاں حسب معمول مختلف علماء کے دروس چلتے رہے۔ پھر آپسی اختلافات کی وجہ سے وہ تعطل کا شکار ہو گیا۔ تقریباً تین سال سے اس کتب خانہ کی ذمہ داری حلقہ فتح دروازہ کی جمعیت نے سنبھالی اور دوروس کا اہتمام برابر کیا جانے لگا۔

دروس کے اس اہتمام کے روح رواں محمد سرور محمدی تھے۔ انہوں نے درس کی ذمہ داری سنبھالی اور ہر اتوار کو مغرب تا عشاء وہاں پر اپنے حلقہ کی جمعیت کے رفقاء کار اور جماعت کے بعض علماء کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اس کو برقرار رکھا۔

موصوف کا آخری درس 6 اکتوبر 1996، 22 جمادی الاولیٰ 1417ھ / روز یکشنبہ رہا۔ (روزنامہ ریاست)

ان کے بعد آنکھ کا موتیا بند آپریشن ہونے کی وجہ سے وہ کتب خانہ جانہ سکے۔ ان کے برادر اکبر محمد افضل محمدی صاحب وہاں اپنا درس جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہ موصوف کی مولانا ابو تمیم محمدی سے والہانہ خلوص و محبت کا ہی ثبوت تھا کہ انھوں نے اپنے استاذ کے کاز کو آخر وقت تک نباہ کر اپنی حقیقی جانشینی اور بے لوث خدمات کا ثبوت دیا۔

مخفی مباد کہ یہاں دروس کے لئے پورے انتظامات مرحوم ہی کے نیک وصالح فرزندان عبد القدیر محمدی اور عبدالحق محمدی اپنی مکمل دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے۔ آمین

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ محمد سرور صاحب تاحیات جمعے کے خطبوں کا بے لوث اہتمام فرمایا ہے۔ مرحوم عرصۂ دراز تک چیلہ پورہ کی قدیم مسجد اہل حدیث میں خطبہ جمعہ دیا کرتے، پھر مسجد اہل حدیث شعبان خان، اور آخر وقت مسجد اہل حدیث عنبر پیٹ میں خطبہ جمعہ کا اہتمام جاری رکھا، اب اس مسجد میں ان کے پوتے محمد عبدالرحیم خرم جامعی خطبہ جمعہ دیا کرتے ہیں۔

(جاری ہے)



نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

حدیث نمبر:129

عَنْ عبد الله بن عمر رضي الله عَنْه قال: «صَحِبْتُ رَسُولَ الله ﷺ، فَكَانَ لا يَزِيدُ فِي السَّفِرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ كَذَلِكَ».

رواه البخاري، أبواب تقصير الصلاة، من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة وقبلها، برقم 1102، ورواه مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، برقم 689 بنحوه.

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا۔

حدیث کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - صَحِبْتُ: میں ساتھ رہا۔

2 - لَا يَزِيْدُ: وہ زیادہ نہیں کرتا ہے / کرے گا۔

3 - فِيْ السَّفرِ: سفر میں۔

4 - رَكْعَتَيْنِ: دو رکعتیں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ سفر میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

2۔ نماز قصر ہر طرح کے سفر کے لیے سنت ہے۔

3۔ نماز قصر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے تحفہ ہے جسے بخوشی قبول کرنا چاہئے جیسا کہ ہمارے پیارے رسول مکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔

4۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر، سدنا عثمان غنی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی فضیلت تمام صحابہ سے زیادہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جب صحابہ کرام کا نام لیتے تو اسی ترتیب سے لیتے اس میں ان کے درجات اور خلافت میں ترتیب کا اشارہ ہے۔

5۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ وقبلہا" سفر میں جس نے فرض نماز سے پہلے اور پیچھے سنتوں (نوافل) کو نہیں پڑھا۔ یعنی سفر میں سنت رواتب / مؤکدہ پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہیں البتہ تحیۃ المسجد یا سفر کے دوران مطلق نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔

6۔ سفر میں نماز قصر کا اہتمام کرنا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے سفر میں پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے سفر میں ہمیشہ قصر ہی پڑھی۔

7۔ نماز قصر پڑھنے والے پر تعجب کرنا، یا نفرت وغیرہ کرنا دراصل جہالت ہے۔

8۔ سفر میں پوری نماز پڑھنے والے کو افضل سمجھنا درست نہیں ہے۔

9۔ قصر نماز ہر اس سفر میں مشروع ہے جس کو عرف میں سفر کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

ہم وہ غلام بیعت ونسبت ہے آپؐ سے

جس میں نہیں ہے آپؐ سراسر رسولؐ پاک
وہ آئینہ نہیں ہے برابر رسولؐ پاک
میرے لیے تو پیڑ ہرا بھی گھنا بھی آپؐ
میرا مکاں ہے دھوپ کے اوپر رسولؐ پاک
گیلی ہے میری خاک تو گردش میں چاک ہے
پیکر میں ڈھالئے مجھے چھو کر رسولؐ پاک
دل میں اتر کے رہ گیا اترا جو آپؐ پر
اب کیا پڑھیں صحیفۂ دیگر رسولؐ پاک
پیاسے لبوں کو آپؐ سے دو گھونٹ کیا ملے
چپتا نہیں ہے کوئی سمندر رسولؐ پاک
ہم وہ غلام بیعت ونسبت ہے آپؐ سے
ہم خاک چھانتے نہیں در در رسولؐ پاک
میں آپؐ کے بغیر ادھورا تھا ہر جگہ
پورا ہوا ہوں آپؐ سے مل کر رسولؐ پاک
چلنے لگا ہوں آپؐ کی انگلی کو تھام کر
گم ہو سکوں گا بھیڑ میں کیوں کر رسولؐ پاک
کب غیر مہر وماہ کے سِکّوں میں بک سکا
قیمت لگا چکا ہے بہت سر رسولؐ پاک

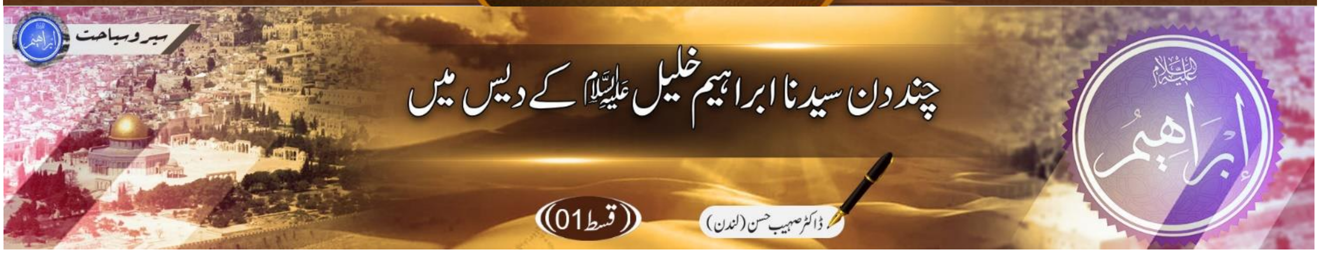
ڈاکٹر رؤف خیر حیدر آباد، دکن

☆☆☆

عقل مندوں کے نزدیک وقت کی قدر وقیمت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مجھے اس شخص پر سخت تعجب ہوتا ہے جو فارغ بیٹھا رہے اور کسی کام میں مشغول نہ ہو۔“ (الجواہر والدرر: 170/1)



چند دن سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دیس میں

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

(قسط 01)

'اورفا' یہ نام سب سے پہلے اس وقت سننے میں آیا جب یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ کا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش تھی اور پھر ہمارے ترکی کے ممبر جناب مصطفی داوش نے یہ پیشکش کی کہ ان کے آبائی شہر اور فاکی بلدیہ سے بات چیت کے بعد انہوں نے کمال مہربانی سے ہمارے اجلاس کی میزبانی قبول فرمائی ہے۔

"اندھا کیا چاہے دو آنکھیں"

ہمیں اپنے محدود وسائل کی روشنی میں ایسی جگہ کی تلاش تھی کہ جو ہماری 25-30 اعضاء پر مشتمل کونسل کی سہ روزہ اجلاس کی اقامت اور میزبانی کا بار اٹھا سکیں۔ سو یہ مسئلہ یوں حل ہو گیا۔

کونسل کا یہ 36 واں اجلاس تھا جو نومبر کے آخری عشرہ میں منعقد ہو رہا تھا اور جس میں کونسل کے اکثر ممبرز کہ جن کا تعلق یورپ سے ہے شرکت کرتے ہیں۔ یورپ کے باہر کے ممبران میں قطر، کویت، تونس، الجزائر کے مندوبین کی آمد بھی متوقع رہتی ہے۔ ممبران کے علاوہ وہ علماء اور مفکرین بھی شرکت کے متمنی رہتے ہیں جو اپنے تحقیقی مقالات پیش کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

اس سال کے اجلاس کا بنیادی موضوع یہ تھا:

"رفاہی کاموں سے متعلق فقہی مسائل کا جائزہ۔"

میں نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے حسب ذیل عنوان کا انتخاب کیا تھا، اس میں رفاہی تنظیموں کو درپیش چیلنج، قانونی اور دستوری ضوابط کی پابندی اور ایک بین الاقوامی رفاہی تنظیم (مسلم ایڈ) کے ساتھ میرے تجربات کا نچوڑ شامل تھا۔

اب آیئے ہم اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔

یہ 21 رنومبر جمعہ کی شام تھی، جب میں اپنی اہلیہ، صاحبزادی خولہ کے ساتھ لندن ہیتھرو ائیرپورٹ سے عازم سفر ہوا۔ بیٹی خولہ، آبزرور کی حیثیت سے پچھلے سالانہ اجلاس منعقدہ قونیہ، ترکی (نومبر 2024ء) میں شرکت کر چکی تھیں اور آئندہ اس سلسلے کو جاری رکھنا چاہتی تھیں۔

ٹرکش ائیرویز کی ساڑھے تین گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم استانبول کے نئے چھچہاتے ائیرپورٹ پر اتر چکے تھے، جس کی طویل راہداریاں، وسیع اور کشادہ گذرگاہیں، چین و جاپان اور مشرق و مغرب کے سیاحوں کی ریل پیل سے ایک میلے کا سماں باندھ رہی تھیں۔

اللہ بھلا کرے ان متحرک کرسیوں (وھیل چیئرز) کا جو ہم جیسے عمر رسیدہ اور ٹانگوں کا بوجھ کم کرنے کے خواہشمند بزرگوں کا کہ جن کی موجودگی ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی اور جن کی مدد سے ہم اس وسیع و عریض ائیرپورٹ کے طول و عرض کو بخوبی ناپ سکے۔

ہم انٹرنیشنل مسافرین کے امیگریشن کاؤنٹرز کے باہر سے گزرے، جہاں زائرین قطار در قطار کھسکتے نظر آئے۔ یہاں سے آگے نکلے تو ایسا ہی ایک دوسرا سیکشن نظر نواز ہوا، وہی ہجوم اور ویسی ہی قطاریں، پھر تیسرے اور غالباً چوتھے سیکشن کو بھی پار کر آئے کہ جس کے بعد اندرونی پروازوں کے سیکشن برائے امیگریشن کی باری آئی۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ کرسی سے اترتے ہی کاؤنٹر ہمارے سامنے تھا اور خاتون آفیسر نے چند لمحوں میں ہمارے پاسپورٹ پر مہر دخول ثبت کر دی۔ کسی زمانے میں ویزے کے لئے بیس پاؤنڈ کا نذرانہ پیش کرنا پڑتا تھا لیکن اب ترکی حکومت نے سیاح حضرات کی پذیرائی کے لئے اور خاص طور پر مغرب سے آنے والے زائرین کی مفت انٹری سے استقبال کر کے ان کی خوشی میں اضافہ اور ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دی ہے۔

کاؤنٹر سے نکلے تو ایک اور صاحبہ متحرک کرسی لئے ہماری منتظر تھیں۔ "اورفا" جانے والی پرواز کے گیٹ کے سامنے انتظار گاہ تک پہنچے تو کئی خوشگوار لمحات نے ہمارا استقبال کیا۔ میرے ایک نواسے سِنان ایک دن پہلے استانبول آچکے تھے اور پھر انہوں نے ہماری ہمراہی کا حق ادا کرنے کے لئے اسی فلائٹ سے اپنی سیٹ بک کرا لی تھی۔ سب سے پہلے تو سِنان کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور پھر اٹلی کے مندوب شیخ امین حزمی پر نظر پڑی جو اپنی بیٹی کے ساتھ رات کے پہلے پہر استانبول ائیرپورٹ پر اترے تھے اور اب سات گھنٹے کے انتظار کے بعد "اورفا" کا رخ کر رہے تھے۔

انہی کے ساتھ یوکرین کے نوجوان مفتی مراد سلیمانوف کے ساتھ ملاقات بھی ہو گئی۔ لندن سے ہماری اسی فلائٹ سے برطانیہ کے دو مندوبین مفتی برکۃ اللہ اور ڈاکٹر اکرم ندوی بھی ہمسفر تھے لیکن ان سے لندن سے روانہ ہوتے وقت سرسری ملاقات رہی تھی، تفصیلی ملاقات یہاں مقدر تھی۔ 'اورفا" ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ دن کی روشنی نے جہاز کی شیشہ بند کھڑکی سے بیرونی مناظر کی جھلکیوں کا ایک بند دروازہ کھول دیا تھا۔

"اورفا" کی آمد سے قبل اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ

شروع ہو چکا تھا، وہ پہاڑیاں جو برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور وہ بھی جن کے دامن میں کہیں کہیں برف چمکتی نظر آرہی تھی۔

اب ہر جگہ اس شہر کو ''شانلی اورفا'' کے نام سے لکھا اور پہچانا جاتا ہے. یہ کوئی 1984ء کی بات ہے، جب اس شہر کو اس کے لقب سے نوازا گیا تھا، جس کا مطلب ہے:''عظیم الشان'' اس طویل اور صبر وعزم کے مظاہرے کی بناپر جو اس شہر کے باسیوں نے پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد فرانسیسی فوج کے محاصرہ پر کیا تھا۔

اس شہر کی تاریخ کے حوالے سے بہت کچھ کہنا باقی ہے جو آئندہ صفحات کی زینت بنتا رہے گا۔

''اورفا'' چونکہ ایک داخلی ایئر پورٹ ہے، اس لئے وہاں جہاز کی سیڑھیوں سے اُترتے ہی سامنے استقبالیہ ہال ہے، جہاں پاپیادہ جایا جاسکتا ہے۔

ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے دو ترک نوجوان محمد فاتح اور محمد علی ہمارے منتظر تھے اور جن کے ساتھ جرمنی سے آنے والے ہمارے مندوب شیخ خالد حنفی بھی تھے جو ہم سے ایک گھنٹہ قبل پہنچ گئے تھے لیکن اجتماعی روانگی کی خاطر ہمارا انتظار کرتے ہے۔

ہمارا یہ قافلہ ایک خوبصورت منی بس میں شہر کی طرف روانہ ہوا جو آدھ پون گھنٹے کی مسافت پر تھا۔

راستہ چٹیل میدان، اونچی نیچی پہاڑیوں اور گہری وادیوں سے گزرتا گیا، شہر کے قریب کچھ ٹریفک نے آلیا تو ہم ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اپنی رہائش گاہ تک پہنچ گئے جو ایک ماڈرن ہوٹل کی نشاندہی کر رہا تھا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خوبصورت عمارت وزارت زراعت اور جنگلات کا مہمان خانہ ہے کہ جسے مقامی بلدیہ نے ہماری ضیافت کے لئے منتخب کر رکھا تھا اور جس میں کوئی تیس، چالیس اشخاص کے لئے اقامتی کمرے تھے، کچھ سنگل کچھ ڈبل۔ ہمیں چوتھی منزل پر جو کمرہ دیا گیا وہ اس لحاظ سے سیلون کہلایا کہ اس سے ملحق ایک استقبالیہ کمرہ بھی تھا جہاں ایک اضافی صوفہ سیٹ، ایک ٹی وی اور چند دوسرے لوازمات ضیافت اپنے مہمانوں کے لئے چشم براہ تھے، کمرے کی کھڑکی سے سامنے ہی ایک چھوٹی سی خوشنما مسجد اپنے گنبد اور میناروں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ صبح وشام اس مسجد سے بلند ہونے والی اذان ہمیں دن کے اتار چڑھاؤ کا خوب پتہ دے رہی تھی۔ صبح چھ بجے اذان فجر اور ساڑھے پانچ بجے اذان مغرب، ہماری اقامت گاہ کے مرکزی گیٹ کے سامنے ایک طویل لوہے کی تاروں سے جکڑی فصیل ہمارے اور مسجد کے درمیان حائل تھی یعنی مسجد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے پہلے ہم فصیل کے ساتھ ساتھ اپنی عمارت کے صدر دروازے تک جائیں اور پھر وہاں سے مسجد جانے والی سڑک پر چلتے ہوئے مسجد تک پہنچیں۔ ہم نے براہ جستجو یہ راستہ بھی قدموں سے ناپ لیا لیکن کانفرنس کی مصروفیات کی بناپر نماز کی ادائیگی ہوٹل کے تہ خانہ میں مصلے کی مخصوص جگہ پر یا اپنے کمرے میں ادا کی۔

لندن میں اپنے گھر سے لے کر ''اورفا'' کی اس رہائش گاہ تک پہنچنے کے لئے ہم بارہ گھنٹے قربان کر چکے تھے، جس میں رت جگا شامل تھا، اس لیے ناشتہ کرتے ہی ایک آرام دہ بستر کا سہارا لیا۔

ہمارے لئے یہ امر باعث اطمینان تھا کہ کونسل کے 36ویں سیشن کی غرض سے منعقد ہونے والا افتتاحی پروگرام چھ بجے شام بعد از نماز مغرب رکھا گیا تھا۔

اب کچھ بات اس عظیم الشان شہر کے بارے میں ہو جائے۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مولد ومسکن رہا ہے اور ایسے ہی حضرت ایوب اور چند دوسرے انبیاء علیہم اسلام کا۔

اپنے مطالعے کے اعتبار سے اب تک ہم پڑھتے آئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام جنوبی عراق (بابلون) کے شہر ''اور'' (UR) میں پیدا ہوئے تھے جو کہ بادشاہ وقت نمرود کی سلطنت کا حصہ تھا۔

لیکن مقامی روایات کی بنا پر اہل ترکیا اُسے ''اور فا'' قرار دیتے ہیں نہ کہ اُور عراق، ان روایات کے مطابق حضرت ابراہم علیہ السلام کو کو یہیں آگ میں پھینکا گیا تھا۔ سرگذشت مزید، کانفرنس کے تعارف کے بعد اُٹھار کھتے ہیں۔ کانفرنس کا افتتاحی اجلاس اس عظیم مہمان خانے کے ایک شاندار ہال میں ہوا، جس میں مقامی ترک خواتین اور حضرات کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ علوم شریعہ کے مدرسین، طلبہ اور طالبات بھی حاضر تھے۔ بلدیہ کے میئر جناب رحمت قاسم نے ترکی زبان میں خوش آمدید کہتے ہوئے اور فا کی تاریخی داستان بیان کی، تقریر کے دوران چند آیات کی تلاوت ان کی عربی دانی کا پتہ دے رہی تھی۔ مصطفی داواش اسلامی امور کی مجلس اعلیٰ کے ساتھ کام کرتے ہیں، انہی کی کاوش سے آج ہم یہاں پر اجلاس منعقد کرنے میں کامیاب رہے تھے، اس لئے ان کا خطاب باہمی تعاون اور برادران اسلام کے مابین الفت اور محبت کے پیغام کو عام کرنے سے عبارت تھا۔

اٹلی سے آئے ہوئے مندوب شیخ امین حزمی اصل میں یمن سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے فصیح وبلیغ عربی میں مجلس کے اہداف ومقاصد کو واضح کیا۔ شیخ حسین حلاوہ ایئرلینڈ سے تشریف لائے تھے، مصر سے تعلق ہے، اسلام آباد کی عالمی سلامی یونیورسٹی کے استاد رہے ہیں اور پھر عرصہ دراز سے مجلس سیکرٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے ہیں، انہوں نے مائیک سنبھالا اور بلدیہ اُورفا اور اس کے قابل احترام ارباب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا، اور وہ یقیناً اس شکریہ کے مستحق تھے، کیا ہم برطانیہ یا کسی دوسرے یورپی شہر کی سول

انتظامیہ سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ پانچ دن کے لئے نہیں صرف تین دن کے لئے کونسل کا اجلاس منعقد کرنے کے سارے اخراجات بشمول اقامت و ضیافت برداشت کر سکے!!

اورفا کے مفتی طلحہ رمضان نے بھی ترکیہ کے نظام افتاء پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی۔ مجلس اعلیٰ کے صدر ڈاکٹر عبدالرحمن جاکلی نے رفاہی کاموں سے متعلق چند فقہی مباحث کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا، آخر میں یورپین کونسل برائے فتویٰ اور ریسرچ کے صدر کی حیثیت سے مجھے چند کلمات کہنے کا موقع دیا گیا۔ عین وقت پر مجھے فارسی کی یہ کہاوت یاد آئی کہ

”زبان یار من تُرکی و من ترکی نمی دانم“

(میرے یار کی زبان تو ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا) میں نے کہا کہ ہمیں اب اس کہاوت کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے ترک بھائیوں نے عربی زبان میں اتنی استعداد پیدا کرلی ہے کہ ان کی زبان سے نکلا ہر کلمہ عربی کی وساطت سے ہمارے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔

اورفا کے تعلق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ولادت کی روشنی میں اس شہر کی تاریخی حیثیت کا ذکر کیا اور پھر اس بات کا بھی کہ یہ شہر اپنی داد و دھش میں ایک نام رکھتا ہے اور اب ہماری کونسل اس کی میزبانی کا فیض اٹھا رہی ہے۔ رفاہی کاموں کی مناسبت سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور اس واقعہ کا حوالہ دیا کہ ایک دن مضر قبیلہ کے بہت سے افراد انتہائی فقر وفاقہ کے عالم میں مسجد نبوی پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالت زار کو دیکھ کر بہت بے قرار ہوئے۔ گھر گئے اور پھر واپس آگئے کہ وہاں کچھ تھا ہی نہیں کہ ان کی دادرسی کا سامان کرتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اذان دو اور نماز کی اقامت کہو۔ نماز کے بعد ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں چندے کی کوئی اپیل نہ تھی کی، صرف دو آیات کی تلاوت کی۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

اور پھر سورۃ الحشر کی یہ آیت :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

گویا پہلی آیت کے حوالہ سے رشتہ انسانیت کی یاد دلائی اور رحمی رشتوں کی پاسداری کو ضروری قرار دیا اور دوسری آیت کے حوالہ سے اپنی آخرت کو سدھارنے کے لئے زاد آخرت آگے آگے بھیجنے پر زور دیا۔

حدیث کے راوی المنذر بن جریر (جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ پھر تو ہر شخص جو لا سکتا تھا لے آیا، گیہوں یا جَو کا صاع، درھم و دینار کے سکے، کھجور چاہے وہ آدھی کیوں نہ ہو، پھر ایک انصاری تشریف لائے، ہاتھ میں چاندی کی ایک بھاری تھیلی تھی، اتنی بھاری کہ اُٹھائے نہ اُٹھتی تھی جو انہوں نے مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر کر دی، پھر کیا تھا کہ صحابہ کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ بھاگ بھاگ کر جاتے اور جو کچھ بن پڑتا لے آتے۔ یہاں تک کہ صحن مسجد میں دو ڈھیریاں نمایاں ہو گئیں، ایک طعام ولباس کی اور ایک درہم و دینار کی، ایسے موقع پر اللہ کے رسول کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور پھر آپ نے وہ الفاظ کہے کہ جو قیامت تک کے لئے مشعل راہ بن گئے۔

”جو شخص بھی اسلام میں ایک اچھی سنت قائم کرتا ہے تو اس کا ثواب اُسے ہوتا ہے اور ان تمام لوگوں کا ثواب بھی جو اس سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں، بغیر اس کے کہ ان اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو، اور جو شخص کوئی بری سنت قائم کرتا ہے تو وہ اس کا بوجھ خود بھی اٹھائے گا اور ان تمام لوگوں کا بھی جو اس بری سنت پر عمل کریں گے لیکن ان کے اپنے بوجھ میں کمی نہ ہوگی۔

ایک لحہ فکریہ ! یہ کام جس انصاری نے کیا تھا کہ جس کی بنا پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے، کیا کوئی شخص ان کا نام جانتا ہے؟

نہیں! کسی بھی راوی حدیث نے ان کا نام درج نہیں کیا لیکن اس کا نیک عمل جو لوگوں کے لئے اس خیر کا باعث ہوا، اسے تاریخ میں مقام دوام پر بٹھا گیا۔ تو جو کام اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، چاہے دنیا میں اس کی توصیف اور ثنا نہ بھی ہو، اللہ کے رجسٹر میں اس کا نام لکھا جاتا ہے اور اسے بڑھ کر بندے کو اور کیا چاہئے۔“

پروگرام کے اختتام پر میئر نے اپنے مہمانوں کو اعزازی شیلڈ سے نوازا اور پھر قریب ہی ایک ریسٹورنٹ میں ممبران مجلس کو ایک بھرپور عشائیہ جس میں شرکت کے بعد خیر سے اقامت گاہ کو لوٹے۔

اگلی صبح کا آغاز مسجد ابراہیم خلیل میں نماز فجر کی ادائیگی سے ہوا۔

’اُورفا‘ شہر کے تین انتظامی ڈسٹرکٹ ہیں، خلیلیہ کہ جہاں کا قصد تھا،

ایوبیہ جہاں حضرت ایوب علیہ السلام سے منسوب وہ غار ہے جہاں انہوں نے اپنی بیماری کے ماہ وسال گزارے تھے اور جہاں بالآخر اللہ کی شفقت اور عنایت نے انہیں جالیا، ان سے کہا گیا:

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ﴾

"اپنا پیر (زمین پر مارو) یہاں غسل کے لئے بھی اور پینے کے لئے بھی ٹھنڈا پانی ملے گا ۔" تیسری ڈسٹرکٹ کا نام ترکی میں ہے۔

ہم فجر کی اذان کے ساتھ ساتھ مسجد ابراہیم میں پہنچے۔ اُموی طرز پر تعمیر کردہ یہ مسجد ایک صحن اور مسجد کے مرکزی ہال پر مشتمل ہے۔ صحن کے درمیان ایک حوض ہے جس کے اطراف میں پانی کی ٹونٹیاں وضو کا پانی فراہم کرتی ہیں۔ یہ اتوار کی صبح تھی، مسجد نمازیوں سے بھر پور نظر آئی۔ محراب کے سامنے ایک نوجوان شیخ سورہ یوسف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس سے پہلے ہم استانبول اور قونیہ کی مساجد میں دیکھ چکے تھے کہ عموماً نماز فجر سے قبل سورۃ یاسین کی تلاوت کی جاتی ہے لیکن مسجد فاتحہ میں خاص طور پر سورۃ الفتح کی تلاوت کی جاتی ہے ، یہاں خانوادہ ابراہیم کی مناسبت سے سورۃ یوسف کی تلاوت کی جارہی تھی۔

آخری دور کوع سے قبل تلاوت تمام ہوئی تو ہمارا خیال تھا کہ اب نماز کی اقامت کہی جائے گی لیکن پھر باآواز بلند تسبیحات کا دور چلا اور چلتا گیا، پھر کہیں اقامت کی نوبت آئی- امام تشریف لا چکے تھے، انہوں نے پہلی رکعت میں سورت الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع کی تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی! اور پھر نماز ختم ہوتے ہی مکبر سے بعد از نماز، تسبیحات کا دور چلا ، وقفے وقفے سے مکبّر بلند آواز سے سبحان اللہ کہتا اور پھر لوگ اپنی انگلیوں پر سبحان اللہ گنتے جاتے ، پھر ایسے ہی الحمد للہ، اللہ اکبر اور بالآخر لا إله الا الله پر اختتام۔

دعا کے لئے کے ہاتھ اٹھائے گئے اور دعا کے ختم ہوتے ہی اکثر لوگوں نے اُٹھنا شروع کر دیا جن میں ہمارے وفد کے ساتھی بھی شامل تھے لیکن اوراد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ واقفان حال نے بتایا کہ اس مسجد میں سلسلہ قادریہ کی پابندی کی جاتی ہے اور یہ سلسلہ ابھی ایک ساعت اور چلے گا اور پھر یہی معمول بعد نماز عصر بھی دہرایا جائے گا۔

مسجد کے احاطہ کے باہر کئی نوادرات ، ہمارے منتظر تھے!!

ہم پانی کی ایک مصنوعی نہر کے ساتھ ساتھ ایک پختہ فٹ پاتھ پر چل رہے تھے، جس کا منبع ایک چشمہ تھا اور جس میں سیاہ رنگ کی بیشار مچھلیاں اٹھکیلیاں کرتی نظر آئیں ۔ نہر کی دوسری طرف ایک مسجد اور مدرسے کی عمارت نظر آئی اور ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ یہاں واقعی ایک مدرسہ قائم ہے جہاں تعلیم جاری ہے۔

اس چھوٹی سی نہر کے اختتام پر بائیں طرف ہمارے لئے دو مناظر تھے۔ ذرا فاصلے پر ایک پہاڑی سے ابھرتا ایک اونچا سا قلعہ جس کی نسبت شاہ نمرود کی طرف کی گئی ہے اور ہمیں اپنے سامنے ایک بالاخانہ نما کمرہ نظر آیا جس کی پیشانی پر عربی اور ترکی میں یہ الفاظ کندہ تھے کہ "یہ وہ جگہ ہے جہاں قصر سلطانی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق(CATAPULT) میں بٹھا کر اس آگ میں پھینکا گیا تھا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بطور سزا بھڑکائی گئی تھی۔ اس وقت یہاں پانی کا نام ونشان نہ تھا لیکن جونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر گرے، یہاں ایک چشمہ پھوٹ پڑا اور اللہ کا یہ فرمان پورا ہوا:

﴿يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾

یہ روایت یہیں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ اس پر پوری ایک کہانی رقم کر دی گئی ہے کہ آگ جب بجھ چکی تو اس کی راکھ سے مچھلیوں نے جنم لیا جو راکھ کی مانند گہرا سیاہ رنگ رکھتی ہیں اور مذکورہ چشمے کے پانی نے جب بہنا شروع کیا تو یہ چھوٹی سی نہر ان مچھلیوں کی آماجگاہ بن گئی۔

اور پھر اس چھوٹی سی مخلوق پر تقدس کی چادر چڑھادی گئی کہ ان کا شکار کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور ان کو کھلانا ثواب ہے، چنانچہ نہر کے کنارے دو تین جگہوں پر چند نوجوان چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں میں جو کی مانند رنگ برنگے دانے فروخت کر رہے تھے کہ زائرین انہیں خریدیں اور پھر مچھلیوں کے لئے سامان ضیافت مہیا کریں۔ مذکورہ کوٹھری سے ملحق ایک اور چھوٹا سا مصلّی نظر آیا، جسے بھی مسجد ابراہیم کا نام دیا گیا تھا۔

اس نہر کا پانی ایک تنگنائی سے ہوتا ہوا ایک بڑے سے حوض میں گر رہا تھا، جسے حوض زلیخا کا نام دیا گیا ہے۔ روایت میں بتایا گیا ہے کہ زلیخا نمرود کی بیٹی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی اور پھر اس نے دل برداشتہ آگ میں چھلانگ لگا دی تھی۔ گویا اس نے اپنی جان آگ کی نذر کر دی لیکن نمرود کی خدائی کو للکار کے رکھ دیا۔

ہم واپسی کی راہ پر چل پڑے، اب یہ نہر ایک نالی کی شکل اختیار کر چکی تھی، ہم نے اپنے ترک تھیوں سے پوچھا کہ وہ اس ساری حکایت پر یقین رکھتے ہیں ۔ انہوں نے جواب دیا کہ علماء ان سب باتوں کو جانتے ہیں لیکن وہ یوں خاموش ہیں کہ ان روایات پر پوری ایک عمارت قائم ہو چکی ہے، یہ ساری جگہ زائرین کے لئے باعث کشش ہے، لوگ یہاں کثرت سے آتے ہیں۔

نماز بھی ادا کرتے ہیں اور اہل محلہ کے رزق کا باعث بھی بنتے ہیں۔

ہم آغاز ہی میں ذکر کر چکے ہیں کہ 'اُورفا' کا مولد ابراہیم ہونا محل نظر رہا ہے۔ تاریخی شواہد عراق میں مذکور 'اور' جو موجودہ ناصریہ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی حالات

سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، وہاں کھدائی کے بعد 'اُور' کے کھنڈرات بھی ملے ہیں اور پھر اہل بابل کا ستارہ پرست ہونا بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجادلہ (جیسے سورۃ الانعام میں ذکر کیا گیا ہے) سے مطابقت رکھتا ہے۔ صرف ایک بات "اُورفا" کے حق میں جاتی ہے کہ ان کا یہاں سے ہجرت کرکے پچاس کلو میٹر دور جانا اور پھر حرّان سے اور آگے شام و فلسطین کی راہ اختیار کرنا جغرافیائی لحاظ سے زیادہ قرین قیاس ہے بہ نسبت اُور عراق کے، جہاں حرّان بالکل شمال میں ہے، مسافت بھی بہت زیادہ ہے، کوئی چھ سو میل کا فاصلہ ہوگا اور پھر شمال سے جنوب کی طرف واپس آنا اور فلسطین پہنچنا، ایک معمہ نظر آتا ہے۔

آئندہ سطور میں حرّان کی زیارت کا حال نذر قارئین رہے گا، "اُورفا" کے بارے میں یہ عرض کرتا چلوں کہ اس نے ماضی بعید میں بھی لوگوں کو پناہ دی ہے اور پچھلے چند سالوں میں ان ہزاروں شامی مہاجرین کو بھی جو سیریا کے آمر خاندان حافظ اسد کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے اور پھر حرّان، اورفا ہوتے ہوئے ترکی میں پناہ لیتے رہے۔

والله لا يضيع أجر المحسنين

(جاری ہے)

☆☆☆

بدعاتِ ماہِ رجب اور اقوال ائمہ کرام

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں سال کے 12 مہینوں میں سے چار مہینوں "محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ" کو حُرمت یعنی ادب و احترام کا مہینہ قرار دیا ہے اور ادب و احترام کے خاطر ان مہینوں میں جنگ و جدال، قتل و غارت کو ممنوع قرار دیا اور ان میں عبادت کے ثواب اور نافرمانی کے گناہ کو بہت بڑھادیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"خص الله من شهور العام أربعة أشهر، فجعلهن حرماً، وعظم حرماتهن، وجعل الذنب فيهن والعمل الصالح والأجر أعظم."

اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر چار مہینوں کو قابل احترام قرار دیا ہے اور ان کی عظمت و احترام کو بڑا عظیم قرار دیا ہے ان میں گناہ کرنے کے عذاب کو اور نیک عمل کے ثواب کو بہت بڑھادیا ہے۔1

ماہ رجب حرمت والے مہینوں میں شامل ہونے کی وجہ سے قابل احترام اور متبرک ہے لیکن بطورِ خاص ماہ رجب کی فضیلت میں کوئی بھی روایت ثابت نہیں۔ مگر بے حد افسوس کی بات ہے کہ دین اسلام کے بعض نام نہاد ٹھکیداروں نے اسلام کے پاک صاف دین کو بدعات سے بھر دیا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی اسلامی مہینہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں خود ساختہ عبادات اور بدعات رائج نہ کی ہوں۔ چنانچہ انہی مہینوں میں سے ماہ رجب بھی وہ مظلوم مہینہ ہے کہ جس میں بدعات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ درج ذیل سطور میں ماہ رجب میں پائی جانے والی چند بدعات کی نشاندہی اور انکے بارے میں علماء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَمْ يَرِدْ فِي فَضْلِ شَهْرِ رَجَبٍ، وَلَا فِي صِيَامِهِ، وَلَا فِي صِيَامِ شَيْءٍ مِنْهُ مُعَيَّنٌ، وَلَا فِي قِيَامِ لَيْلَةٍ مَخْصُوصَةٍ فِيهِ، حَدِيثٌ صَحِيحٌ يَصْلُحُ لِلْحُجَّةِ."

"ایسی کوئی بھی صحیح اور قابل حجت حدیث وارد نہیں جو ماہ رجب میں مطلقاً روزے رکھنے یا رجب کے کسی معین دن کا روزہ رکھنے یا اس کی کسی رات کے قیام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يرد في رجب على الخصوص سنة صحيحة ولا سنة ضعيفة ضعفا خفيفا بل جميع ما روى فيه على الخصوص اما موضوع مكذوب أو ضعيف شديد الضعف."

"خاص طور پر ماہ رجب کے متعلق کوئی صحیح، حسن یا کم درجے کی ضعیف سنت وارد نہیں بلکہ اس سلسلے میں وارد تمام روایات یا تو من گھڑت اور جھوٹی ہیں یا شدید ضعیف ہیں۔"

امام عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا يصح في فضل رجب حديث."

"رجب کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔"

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يرد في فضل رجب حديثٌ صحيح، ولا يمتاز شهر رجب عن جمادى الآخرة الذي قبله إلا بأنه من الأشهر الحرم فقط، وإلا ليس فيه صيام مشروع، ولا صلاة مشروعة، ولا عمرة مشروعة ولا شيء، هو كغيره من الشهور."

"ماہِ رجب کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے اور ماہِ رجب کی ماہ جمادی الثانی سے انفرادیت صرف اتنی ہے کہ یہ مہینہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے، وگرنہ اس میں خصوصی روزے رکھنا، مخصوص نماز کی ادائیگی کرنا، یا کسی خصوصیت کیساتھ عمرہ وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ مہینہ دیگر مہینوں جیسا ہی ہے۔"

البتہ اگر کوئی شخص رجب کی خاص فضیلت کا اعتقاد رکھے بغیر روزہ رکھے تو حصولِ خیر کا ذریعہ ہوگا کیونکہ روزہ خود ایک نیک عمل ہے اور پھر ماہِ رجب حرمت کا مہینہ ہے تو یہ دونوں مل کر عام دنوں سے زائد حصولِ اجر کا باعث بن جائیں گے۔

☆☆☆



ماہ رجب میں بدعات کی شرعی حیثیت؟

سال کے بارہ مہینوں میں سے جن مہینوں کو شریعت اسلامیہ نے حرمت والے قرار دیا ہے ان میں سے ایک رجب کا مہینہ بھی ہے جو کہ ترجیب سے ہے جس کے معنی تعظیم(احترام) کے ہیں۔ اس کے علاوہ تین اور حرمت والے مہینے ہیں(ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم،) ان چار مہینوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ﴾ (سورۃ التوبہ:36)

ان میں تم نے اپنی جانوں پر ظلم نہیں کرنا۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان مہینوں میں خاص طور پر اللہ تعالی کی نافرمانیوں سے بچنا ہے۔

لیکن افسوس کہ اتنی ہی زیادہ بدعات اور خرافات ان مہینوں میں سرانجام دی جاتی ہیں۔ جبکہ دین اسلام ایک کامل اور اکمل دین ہے جس میں کسی قسم کی کمی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی زیادتی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی تکمیل نبی مکرم ﷺ نے آج سے قریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی کر دی ہے اور اللہ تعالی نے اس حوالے سے ہر قسم کا شک و شبہ ختم کرتے ہوئے یوں فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (سورۃ المائدہ:3)

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور بہت بڑا مہربان ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» (سنن نسائی1579)

اور بدترین کام وہ ہیں جنھیں (شریعت میں) اپنی طرف سے جاری کیا گیا۔ ہر ایسا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جائے گی۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"كل بدعة ضلالة وان رآها الناس حسنة."

"ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے اچھی ہی سمجھتے ہوں۔" (شرح اصول اعتقاد اہل السنہ: رقم 126)

افسوس اس بات کا ہے کہ دین مکمل ہونے کے باوجود بھی بعض لوگوں نے آج دین میں ایسی بدعات اور خرافات ایجاد کر رکھی ہیں جن کا دین اسلام سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں ہے۔

رجب کے کونڈے

ان بدعات میں سے ایک مروجہ بدعت ہے "رجب کے کونڈے" جو حقیقت میں رجب کے کونڈے نہیں بلکہ ایمان کا کونڈا ہے۔

اس بدعت کو امام جعفر کے کونڈوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور اس بدعت کو سرانجام دینے میں شیعہ روافض پیش پیش ہوتے ہیں اور دیکھا دیکھی کچھ نام نہاد اہل سنت (بریلوی) بھی یہ بدعت سرانجام دینے میں پیچھے نہیں رہتے کیونکہ کھانے پینے کا معاملہ جو ہوا۔

کونڈے؟:

21 رجب کی شام کو میدہ، گھی، شکر، اور دودھ وغیرہ کی ٹکیاں اور حلوہ تیار کیا جاتا ہے پھر 22 رجب کے دن اس بدعت کو امام جعفر کی طرف منسوب کرتے ہوئے سرانجام دیا جاتا ہے

امام جعفرؒ کی طرف منسوب کونڈوں کا من گھڑت قصہ

کونڈوں کے حوالے سے ایک جھوٹا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ

ایک لکڑہارا جو مدینہ میں تنگدستی کی زندگی بسر کرتا تھا اور اس کے بیوی بچے اکثر فاقے کرتے تھے وہ بارہ سال تک در در دھکے کھاتا رہا لیکن فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی ہی گزارتا رہا۔ یہ لکڑ ہارا ایک دن وزیر کے محل کے پاس سے گزرا اس کی بیوی مدینہ میں وزیر کی نوکری کرتی تھی وہ ایک دن جھاڑو دے رہی تھی کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے گزرے وہ وزیر کے محل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ساتھیوں سے پوچھتے ہیں؟ آج کونسی تاریخ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آج رجب کی بائیس 22 تاریخ ہے امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا:

اگر کسی حاجت مند کی حاجت پوری نہ ہوتی ہو یا کسی مشکل میں پھنسا ہو اور مشکل کشائی کی کوئی سبیل نظر نہ آتی ہو تو اس کو چاہیے کہ بازار سے نئے کونڈے لائے اور ان میں حلوہ اور پوڑیاں بھر کر میرے نام کی فاتحہ پڑھے پھر میرے وسیلے سے دعا مانگے اگر اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں ہوتی تو وہ قیامت کے روز میرا دامن پکڑ سکتا ہے۔

یہ سن کر لکڑہارے کی بیوی نے اس پر عمل کیا اور اپنے شوہر کے صحیح وسلامت اور مال و دولت کیساتھ واپس لوٹ آنے کی دُعا کی اور پھر کونڈے اپنا رنگ دکھاتے ہیں،12 سال سے مارا مارا پھرنے والا لکڑ ہارا ایک مدفون خزانے کو پالیتا ہے اور واپس آکر وزیر محل کے سامنے ایک شاندار گھر بنالیتا ہے۔

اس واقعہ کا ضعیف اور من گھڑت ہونا اس بات سے ہی واضح ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں اور نہ ہی کسی مستند کتاب میں یہ واقعہ درج ہے

یہ داستان منشی جمیل احمد کا منظوم کلام ہے۔ جسے امام جعفرؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ امام جعفرؒ کا اس واقعہ سے کسی قسم کا بھی تعلق نہیں ہے کیونکہ حضرت امام جعفرؒ کی پیدائش ایک روایت کے مطابق 8/رمضان 80ھ اور دوسری کے مطابق 18/ربیع الاوّل 83ھ میں ہوئی اور اُن کی وفات پر اتفاق ہے کہ 15/شوال 148ھ ہے-

کونڈوں کی اصل حقیقت

22 رجب امیر المومنین کاتب وحی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن ہے جسے دشمنان اسلام اپنی خوشی کا دن سمجھتے ہیں اور کونڈے شرینیاں وغیرہ بانٹتے ہیں اور حقیقت کو چھپانے کے لیے امام جعفرؒ کی طرف ایک جھوٹا افسانہ بنا کر منسوب کر دیا تاکہ حقیقت بھی واضح نہ ہو اور عام جہلاء بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

جیسا کہ ان کی کتاب میں واضح لکھا ہے کہ معاویہؓ کی وفات کا دن ان کے لیے خوشی کا دن ہے اور اہل کفر کے لیے غم کا دن ہے۔(مسار الشیعہ:ص 59)

صلاۃ الرغائب:

ماہ رجب میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے جسے صلاۃ الرغائب کانام دیا جاتا ہے۔

روایت: جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کے دن کا روزہ رکھے، پھر جمعہ کی رات کو مغرب وعشاء کے درمیان بارہ رکعات دو دو کر کے اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۃ القدر اور بارہ مرتبہ سورۃ سورۃ الاخلاص کی تلاوت کرے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو مجھ پر ستر مرتبہ یہ درود شریف پڑھے:

"اللّٰهُمَّ صل على محمد النبي الأمي وعلى آله."

پھر سجدہ میں چلا جائے اور یہ دعا ستر مرتبہ پڑھے:(سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح)اس کے بعد سر اٹھا کر یہ دعا ستر مرتبہ پڑھے:

"رب اغفر وارحم وتجاوزعما تعلم إنك أنت العزيز الأعظم"

بعد ازاں وہ دوسرا سجدہ بھی اس طرح کرے۔ اس کے بعد وہ جو کچھ اللہ تعالی سے مانگے گا اس کی ہر حاجت پوری کی جائے گی۔"

اس جھوٹی روایت کے بارے میں محدثین کے اقوال:

ابن الجوزی اس حدیث کو "الموضوعات" میں روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"یہ حدیث رسول اللہ ﷺ ﷺ پر گھڑی گئی ہے اور محدثین نے اس کا الزام ابن جہضم پر لگایا ہے جو ان کے نزدیک جھوٹ بولتا تھا۔ اور میں نے اپنے شیخ عبد الوہاب الحافظ سے سنا تھا کہ اس کے رجال مجہول ہیں۔" (الموضوعات: 2/438)

ابن رجب کہتے ہیں:

" ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں صلاۃ الرغائب پڑھنے کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی، باطل اور غیر صحیح ہیں۔" (لطائف المعارف فیما لموسم العام من الوضائف :ص123)

امام نووی کہتے ہیں:

" وہ نماز جو صلاۃ الرغائب کے نام سے معروف ہے اور جس کی بارہ رکعات رجب کی پہلی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہیں، وہ اور اسی طرح شعبان کی پندرھویں رات کی سو رکعات نماز یہ دونوں نماز میں بہت بری بدعت ہیں۔" (المجموع للنووی: 3/379)

محمد بن طاہر الہندی کہتے ہیں:

" صلاة الرغائب موضوع بالاتفاق ."

"صلاۃ الرغائب بالاتفاق من گھڑت ہے۔"

(تذکرۃ الموضوعات:ص44)

رجب کے مخصوص روزے

یہ بھی ماہ رجب کی بدعات میں سے ایک بدعت ہے اس میں روزے کی مخصوص فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے مخصوص روزے رکھنا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے اس مہینہ کے روزوں کے بارے میں کچھ بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے امام الساجی سے نقل کیا ہے کہ امام عبد اللہ الانصاری رجب میں روزہ نہیں رکھتے تھے اور اس سے منع بھی کرتے تھے۔ نیز وہ کہتے تھے:

" ما صح في فضل رجب وفي صيامه عن رسول الله ﷺ شيء."

" رسول اللہ ﷺ ﷺ سے رجب کی فضیلت یا اس میں روزوں کی فضیلت کے بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔" (الموضوعات:2/278-279)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" رجب کی فضیلت یا اس کی روزوں کی فضیلت یا اس کے کسی متعین دن کے روزہ کی فضیلت کے بارے میں جتنی صریح حدیثیں وارد ہیں وہ دو قسم کی ہیں:

" یا وہ ضعیف ہیں یا وہ موضوع (من گھڑت) ہیں۔" (تبیین العجب بماورد فی فضل رجب:ص76)

امام شوکانی رحمہ اللہ نے علی بن ابراہیم العطار سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"رجب کے روزوں کے متعلق جو کچھ بھی روایت کیا گیا ہے وہ سب من گھڑت، ضعیف اور بے بنیاد ہے۔" (الفوائد المجموعہ:ص392)

لہٰذا جب ایک حدیث بھی صحیح سند سے ثابت نہیں تو پھر جھوٹی اور من گھڑت احادیث کی بناء پر یہ اعتقاد رکھنا سراسر غلط ہے کہ رجب میں مخصوص روزوں کی کوئی فضیلت ہے۔

رجب کی ستائیسویں رات کی عبادت اور اگلے دن کا روزہ

عام طور پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ واقعہ معراج رجب کی ستائیسویں رات کو پیش آیا۔اسی لئے وہ اس رات میں خصوصی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں اور اگلے دن روزہ رکھنا مستحب سمجھتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ

واقعہ معراج کی تاریخ کے بارے میں اہل علم کے مابین بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں:

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ

یہ ہجرت سے ایک سال قبل (ماہ ربیع الاول 12 نبوی) میں پیش آیا۔یہ ابن سعد وغیرہ کا قول ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ ہجرت سے آٹھ ماقبل (ماہ رجب 12 نبوی) میں پیش آیا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ

یہ ہجرت سے 6ماہ قبل۔

اور چوتھا قول یہ ہے کہ

یہ ہجرت سے 11 ماہ قبل پیش آیا۔ (فتح الباری: 257/7)

بہر حال اس حوالے سے اہل سیر میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا؟

دوسری بات:

اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ رجب کی ستائیسویں رات کو نبی ﷺ کو معراج کروائی گئی ہے تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ

اس رات میں خصوصی عبادت کی جائے اور پھر اگلے دن کا روزہ رکھا جائے۔تو یہ ایک بے بنیاد بات نہ تو یہ عمل نبی ﷺ سے ثابت اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو ردٌّ»

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل مردود ہے۔“ (صحیح مسلم:1718)

لہٰذا ہمیں وہی عمل کرنا چاہیے جس پر نبی ﷺ کی مہر ہو اور اگر ہم اپنی طرف سے دین میں کوئی نیا کام ایجاد کریں گے تو وہ بدعت شمار ہو گا دین اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

☆☆☆

حرمت کے چار مہینے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾

”ان مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی بالکل سیدھا دین ہے، پس ان (مہینوں) میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“

حرمت کے مہینے چار ہیں:

تین مسلسل: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم

اور ایک الگ: رجب

ان مہینوں کو دو باتوں میں خصوصیت حاصل ہے:

1۔ان میں قتال (جنگ) کی حرمت۔ صحیح قول کے مطابق

2۔ان میں ظلم (گناہوں) کی سنگینی کا مزید بڑھ جانا

ظلم کی دو قسمیں ہیں:

1۔بندے کا اپنے رب کے حق میں ظلم (یعنی گناہ اور اس کی نافرمانی)

2۔ بندے کا مخلوق کے حق میں ظلم (لوگوں پر زیادتی)

اور جب ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم سے خاص طور پر منع کیا گیا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

ان مہینوں میں نیک اعمال کی فضیلت اور اجر بھی زیادہ ہے۔

حرمت والے مہینوں کو دیگر مہینوں سے ممتاز رکھنے کی حکمت

حرمت والے مہینوں کو دیگر مہینوں سے ممتاز رکھنے کی حکمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیان نہیں فرمائی، چنانچہ یہ معاملہ بھی دیگر معاملات جیسا ہے کہ

ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں گے چاہے ہمیں اس کی حکمت کا علم ہو یا نہ ہو، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم یقین رکھیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات حکمت والی ہے اس کے تمام احکامات بھی حکمتوں سے بھرے ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نواہی بھی حکمت بھری ہوتی ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان احکامات کی حکمتیں تلاش کرنے سے منع بھی نہیں فرمایا تو ممکن ہے کہ جس چیز کو ہم حکمت سمجھیں وہی حقیقی حکمت بھی ہو۔

علامہ رازی لکھتے ہیں:

”اگر کہا جائے کہ حقیقت میں تو زمانہ کے مختلف حصے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں تو انہیں خصوصی طور پر ممتاز کرنے کی کیا وجہ ہے؟

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے:

شریعت میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، کیونکہ ایسے بہت سے امور ہیں ۔

مثال کے طور پر آپ دیکھیں کہ

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو دیگر تمام جگہوں سے خصوصی ممتاز حیثیت عطا فرمائی ہے، ایسے ہی جمعہ کے دن کو ہفتے کے دیگر ایام سے الگ امتیازی حیثیت دی، یوم عرفہ کو مخصوص عبادت کے ساتھ دیگر ایام پر فوقیت عطا فرمائی، ماہ رمضان میں روزوں کو فرض کر کے دیگر مہینوں پر فوقیت دی، پھر دن کے کچھ حصوں میں نمازیں فرض کر کے ان اوقات کو ممتاز بنا دیا، لیلۃ القدر جیسی کچھ راتوں کو دیگر راتوں کے مقابلے میں ممتاز بنایا، افراد میں سے کچھ کو خلعت نبوت عطا کر کے بقیہ تمام افراد سے ممتاز کیا۔“ (تفسیر رازی: 41/16)

☆☆☆



أبو هريرة في ضوء مروياتك ایک مطالعہ (مولانا دکتور عبداللہ جولم عمری)،
ایک ہندو مذہب کے "بانکے رام" کو اللہ نے اپنا ولی بنا لیا!

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

دکتور ضیاء الرحمن اعظمی عمری کی یہ کتاب اصل میں ان کا تحقیقی مقالہ ہے جو جامعہ ام القری سے ماجستر (MA) کی ڈگری کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس موضوع کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین اور مغرب زدہ لوگوں نے اسلام کی صاف ستھری تصویر کو مسخ کرنے کے لیے شریعت کے مراجع قرآن و سنت کو ہدف بنایا۔ قرآن میں لفظی تحریف کرنا ناممکن تھا، اس لیے معنوی تحریف کرنے کی کوشش کی، اور قرآن کی بعض آیتوں میں تعارض کا دعویٰ کیا، مگر علماء شریعت نے اس کا مسکت جواب دیا۔ جب دیکھا کہ قرآن میں تحریف ممکن نہیں تو پھر احادیث کی طرف متوجہ ہوئے اور تحقیق کے نام پر مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کبھی کہا کہ سنت کے معنٰی عادت کے ہوتے ہیں، تو عاداتِ جاہلیہ میں سے، جسے اسلامی شریعت میں باقی رکھا گیا ہے، اسے سنت کا نام دیا گیا ہے، اس وجہ سے سنت بذات خود کوئی مستقل دلیل اور مرجع نہیں ہے اور کبھی کہا کہ احادیث کی تدوین دو سو سال کے بعد ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور بھی احادیث کو نقل کرنے والے صحابہ پر کیچڑ اچھالا، اور انہیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ چونکہ سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والے صحابی رسول سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اس لیے ان پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے گئے۔

مؤلف نے کتاب کا اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے مقدمہ میں دو باب قائم کیے ہیں۔ پہلی فصل میں تفصیلی بحث اس پر کی ہے کہ شریعت میں سنت کا مقام کیا ہے۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ جرمن مستشرق جوزف شاخت (1902-1969)، یہودی مستشرق گولڈ زہیر (1850-1921) اور اس طرح کے لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ سنت کی حجیت دو صدی تک غیر مسلم تھی۔ سب سے پہلے سنت کو حجیت کا درجہ اور مقام دینے والے امام شافعی تھے۔ مؤلف نے قرآن و سنت اور اقوال ائمہ کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ سنت کی حجیت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت ہی سے قائم ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ (سورۃ النحل: 44)

"ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر ان ہدایات کو اچھی طرح واضح کر دیں، جو ان کی طرف بھیجی گئی ہیں۔"

اور اس سلسلے میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ گزرے ہیں۔ دونوں کی رائے تفصیل سے نقل کی ہے کہ وہ سنت کی حجیت کو تسلیم کرتے تھے۔ بعض مسائل میں ان کی رائے سنت کے خلاف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سنت کو حجت نہیں مانتے تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حدیث ان تک پہنچی ہی نہیں، یا پہنچی مگر انہوں نے اس حدیث کو کسی آیت سے متعارض سمجھا اور آیت کو ترجیح دی، یا اس طرح کی کوئی اور بات رہی۔ لیکن کسی بھی عالم سے یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے سنت کی حجیت سے انکار کیا ہو۔

دوسری فصل میں مؤلف نے صحابی کی تعریف وغیرہ پر بحث کی ہے کہ صحیح رائے کے مطابق صحابی ان کو کہتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حالت ایمان میں دیکھا اور حالت ایمان ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ رؤیت کا اعتبار سن تمیز کے بعد ہوگا۔ اگر سن تمیز سے پہلے دیکھا ہو تو اس اعتبار سے کہ رسول نے چونکہ انہیں دیکھا ہے، اس لیے وہ صحابی کہلائیں گے، مگر روایت کے اعتبار سے اس کا شمار تابعی میں ہوگا: جیسے محمد بن ابو بکر صدیق۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تین مہینہ اور کچھ دن کی تھی، تو اس اعتبار سے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا ہے، اس لیے انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے، مگر روایت حدیث کے اعتبار سے تابعی شمار کیے جائیں گے۔

صحابی کی تعریف کے بعد طبقات صحابہ کے سلسلے میں امام حاکم کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے بارہ طبقات کا ذکر کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان میں سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

پھر صحابہ کی تعداد کے سلسلے میں بتایا ہے کہ صحابہ کی تعداد یقین کے ساتھ متعین کرنا مشکل ہے، اس لیے کہ اس زمانے میں کوئی رجسٹر نہیں تھا جس میں اسلام لانے والوں کے نام درج کیے جاتے۔ غزوات اور فتوحات وغیرہ سے متعلق بعض احادیث و آثار سے اہل علم نے ان کی تعداد کا اندازہ لگایا ہے، جیسے صحیح مسلم کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس رمضان کو مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روزے سے تھے۔ جب مقام کدید پر پہنچے تو آپ ﷺ نے روزہ چھوڑ دیا اور سفر جاری رکھا۔ اس وقت صحابہ کی تعداد دس ہزار تھی۔ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ اسی طرح امام ابن الجوزی نے تلقیح فھوم اھل الاثر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابوزرعہ رازی سے پوچھا کہ کیا ایسی بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث چار ہزار ہیں؟ ابوزرعہ نے کہا: کس نے ایسی بات کہی ہے؟ اللہ اس کے دانت توڑ دے۔ یہ زندیقوں کا کلام ہے۔ حدیث رسول کا شمار کس نے کیا ہے؟ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ تھے، جنھوں نے آپ سے سنا اور روایت کی۔ پھر پوچھا گیا: ابوزرعہ! یہ لوگ کہاں تھے اور کیسے سنا؟ کہا: اہل مدینہ، اہل مکہ اور ان دونوں کے درمیان رہنے والے، اور دیہات میں رہنے والے، اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک تھے۔ (تلقیح فھوم اھل الاثر، ص:103)

مؤلف کہتے ہیں کہ یہ بڑی تعداد جن کا ذکر ابوزرعہ نے کیا، ان میں کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف سنا اور کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سننے کے ساتھ روایت بھی کی۔ اسی وجہ سے تراجم صحابہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں صحابہ کرام کی تعداد 13 ہزار سے 15 ہزار تک ہی ہے۔ رہے وہ صحابہ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے تو ان کی تعداد بہت کم ہے۔

ہر صحابی سے کتنی احادیث منقول ہیں، اس پر بعض مؤلفین نے کام کیا ہے، اور ان احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا زیادہ تر اعتماد بقی ابن مخلد اندلسی پر ہے جن کی وفات 676ھ میں ہوئی۔ اب تک لکھی گئی کتابوں میں یہ سب سے بڑی کتاب ہے، مگر یہ کتاب اس وقت گم شدہ خزانہ کے مانند ہے۔ امام ابن حزم نے اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "جوامع السیرۃ" میں ہر صحابی سے مروی احادیث کی تعداد متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے اصحاب الالوف، یعنی وہ صحابہ جن سے دو ہزار سے زائد حدیثیں مروی ہیں۔ پھر اصحاب الالف یعنی وہ صحابہ جن سے دو ہزار سے کم روایتیں مروی ہیں۔ پھر اصحاب المئین، یعنی وہ صحابہ جن سے سو سے زیادہ مگر ہزار سے کم روایتیں ہیں۔ اخیر میں ان صحابہ کا تذکرہ ہے جن سے ایک ہی روایت ہے۔

امام ابن حزم کے بقول مسند بقی ابن مخلد میں ایک ہزار تین سو اور کچھ صحابہ سے حدیثیں منقول ہیں۔

پھر مؤلف نے عدالت صحابہ: الصحابۃ کلھم عدول کے مسئلے کو قرآن و سنت سے ثابت کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ صحابہ کے عدول ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ معصوم عن الخطا تھے اور کسی گناہ کے مرتکب نہیں تھے۔ عدول کا مطلب یہ ہے کہ وہ حتی الامکان گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ بشری تقاضے کی وجہ سے پھر بھی اگر کوئی لغزش ہو جاتی تو فوراً اللہ سے رجوع کرتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی محبت کے لیے چنا تھا، اور رسول نے ان کی بہترین تربیت کی تھی، تاکہ وہ آنے والوں کے لیے شریعت کی امانت کو پہنچائیں۔

اسی لیے محدثین نے عدالت کی تفسیر کی ہے کہ عدالت کا مطلب ہے روایت میں عمداً جھوٹ بولنے اور اس میں تحریف کرنے سے اجتناب کرنا، جس سے کہ ان کی روایت رد کر دی جائے، تو صحابہ سے یا تو گناہ سرزد نہیں ہوگا، یا ایسا گناہ ہوگا جس سے ان کی روایت رد نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی کہے کہ ہم حدیث کی کتابوں میں ایسی روایتیں دیکھتے ہیں جو خرافات پر مبنی لگتی ہیں جنہیں عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام اوہام و خرافات کا مذہب ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حدیثوں کی روایت کرنے والے صحابہ ہیں۔ (اضواء علی السنۃ: 340) تو ہم کہیں گے کہ صحابہ اس طرح کی روایتوں سے بری ہیں۔ ملحدین اور شیعہ جو اسلام سے بغض رکھتے ہیں اس طرح کی روایتیں گھڑی ہیں۔ محدثین نے ان کے جھوٹ کو پکڑا اور واضح کیا۔ روایتوں کو ہر قسم کے جھوٹ اور افترائے پاک رکھنے کے لیے علم الجرح والتعدیل جیسے نئے علم کا اضافہ کیا۔

کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ صحابہ پہلے عدول تھے، یہاں تک کہ ان میں اختلاف واقع ہوا، ان کے درمیان جنگیں ہوئیں، اس کے بعد ان کی عدالت کی چھان بین کی ضرورت ویسے ہی ہے جیسے ان کے بعد کے لوگوں کے لیے ہے، اور اسی طرح کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ان کی روایت رد کر دی جائے گی، اس لیے کہ انہوں نے امام حق کے خلاف بغاوت کی، تو اس طرح کے اعتراضات سب رد کر دیے جائیں گے، اس لیے کہ اہل علم کا ان کی عدالت پر اتفاق ہے۔

پھر مولف نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں صفحات میں بیان کی ہے۔ ابو ہریرہ کے نام اور کنیت کی تحقیق طفیل بن عمر والدوسی کے قبول اسلام کا واقعہ اور پھر ان کے ہاتھوں ابو ہریرہ کا اسلام قبول کرنا، اس کے بعد ہجرت مدینہ، مدینہ میں رسول اللہ کو نہ پا کر خیبر کا قصد کرنا، باوجود اس خبر کے ملنے کے، کہ رسول واپس تشریف لا رہے ہیں، اور ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول جہاں ملیں گے وہیں ان سے ملاقات کرلوں گا، خیبر پہنچنے تک خیبر کا فتح ہو جاتا، دورانِ سفر غلام کا غائب ہو جانا۔ ان سب کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ جس مجلس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہو رہی تھی، اس مجلس میں غلام بھی پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ابو ہریرہ یہ تمہارا غلام آ گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات پر اس قدر مسرور تھے کہ اس خوشی میں اپنے غلام کو آزاد کر دیا اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اس پر گواہ بناتا ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے، مسجد نبوی میں صفہ کو اپنی قیام گاہ بنا لیا اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اہل صفہ کا امیر بنا دیا۔ (حلیۃ الاولیاء: 1/376)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی علم کے لیے وقف کر دی۔ انہیں دنیا سے کوئی مطلب نہیں رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور رفاقت ہی ان کا مقصود تھا۔ باوجود یہ کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کا موقع تقریباً تین سال ہی ملا، پھر بھی آپ کی روایت کردہ حدیثیں دیگر صحابہ سے بڑھ کر ہیں حتیٰ کہ ان صحابہ سے بھی، جو ابتدائے اسلام سے آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

لوگوں کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت پر تعجب اور اعتراض تھا، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود جواب دیا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی تجارت میں مشغول تھے، اور انصاری بھائی اپنی کھیتیوں میں مشغول تھے اور میں مساکین صفہ میں سے ایک مسکین تھا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتا تھا، بس پیٹ بھر کھانا مل جائے، (مگر وہ بھی بسا اوقات کہاں میسر تھا) تو جہاں دیگر صحابہ نہیں رہتے میں موجود رہتا تھا، اور صحابہ بھول جاتے، میں یاد رکھتا تھا۔“ (صفوۃ الصفوۃ: 1/287، والبخاری باختصار)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یادداشت مضبوط ہونے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوت حافظہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ ہے۔ ان کے تلامذہ میں سے کچھ لوگوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں حدیث لکھنا شروع کر دیا تھا، تاکہ احادیث ضائع نہ ہوں۔ مؤلف نے ان میں سے دس کا تذکرہ کیا ہے۔ دسویں شخصیت مشہور تابعی ہمام بن منبہ کی ہے۔ ان کا صحیفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، اور وہ پورا صحیفہ مسند احمد میں موجود ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عالم ہونے کے ساتھ زاہد، متقی اور مہمان نواز بھی تھے۔ مشہور تابعی ابو عثمان النہد کی کہتے ہیں: میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سات دن مہمان رہا تو دیکھا ان کے گھر میں تین آدمی تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ان کی بیوی اور ان کا غلام۔ تینوں نے تین حصوں میں رات کو تقسیم کر رکھا تھا۔ رات کا ایک مثلث حصہ ایک آدمی نماز میں گزارتے، اس کے بعد دوسرے کو بیدار کرتے، اور دوسرے تیسرے کو۔ اس طرح رات بھر ان کے گھر میں تہجد کا سلسلہ جاری رہتا۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ روزے کتنے رکھتے ہیں؟ تو بتایا کہ مہینہ کی ابتدا میں تین دن۔ (سیر اعلام النبلاء: 2/438)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر ستاتی تھی۔ جب وفات کا وقت قریب ہوا، تو رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو جواب دیا: میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ یہ تمہاری دنیا چھوٹ رہی ہے۔ ہمارا رونا اس لیے ہے کہ سفر دور کا ہے اور زادِ راہ کم ہے۔ میں ایک ایسی اونچی جگہ پر ہوں جس کے نیچے یا تو جنت ہے یا جہنم اور معلوم نہیں ہمیں کس میں لے جایا جائے گا۔

مروان ان کی عیادت کے لیے گئے تو صورت حال دیکھ کر کہا: ابو ہریرہ! اللہ آپ کو شفا دے، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہوں، تو بھی میری ملاقات کو پسند فرمائے۔ ابھی مروان نکل کر کچھ ہی دور گئے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ابو ہریرہ نے 78 سال کی عمر پائی۔ سنہ 59ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

پھر مؤلف نے بتایا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر جو بڑے اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ دو ہیں:

ایک تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی مدت رفاقت کم ہے۔ اس کے باوجود اتنی زیادہ حدیثیں انہوں نے کیسے روایت کی؟ دوسری بات یہ کہ ان کی بعض حدیثیں عجیب و غریب ہیں، عقل انہیں تسلیم نہیں کرتی، جس سے وضع حدیث کا شبہ ہوتا ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ انہیں اگرچہ کہ مدت رفاقت کم ملی مگر اس مدت میں انہوں نے اتنی محنت کی کہ سب سے آگے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصی دعا بھی شامل حال رہی۔

رہا دوسرا شبہ تو اس کے ازالے کے لیے مؤلف نے ایسا طریقہ اپنایا ہے کہ اس کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس طرح کی روایتوں میں منفرد نہیں ہیں کہ ان کی روایت کو رد کر دیا جائے۔ ان کے ساتھ روایت کرنے میں بہت سارے صحابہ ہیں جن کو جھٹلانا محال ہے، اور جن احادیث کے حوالے سے شبہ ظاہر کیا جاتا ہے ان احادیث کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ عقل کے خلاف بھی نہیں معلوم ہوتیں۔ چنانچہ مؤلف نے اس کتاب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سو حدیوں کا دراسہ کیا ہے جن کا تعلق حلال و حرام سے ہے، اور ان کی متابعات و شواہد کو جمع کر کے

ثابت کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ وارد حدیثوں پر کسی قسم کا اشکال صحیح نہیں ہے۔ساتھ ہی حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل اور فوائد بھی بیان کیے ہیں۔

مؤلف نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اگر ہمیں موقع ملا اور لوگوں نے اس عمل کو پسند کیا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ساری حدیثوں کا دراسہ اسی طرز پر کیا جائے گا،لیکن مولف کو اس کا موقع نہیں مل سکا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی کل تعداد: 5374 ہے، جس میں مختلف اسانید شامل ہیں۔ خالص متون حدیث 2 ہزار سے زیادہ نہیں ہیں۔انہوں نے جو ایام خدمت نبوی میں گزارے وہ تقریبا 2 ہزار ہیں۔اس طرح روزانہ اوسطا دو حدیثیں ہوئیں۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سایے کی طرح رہنے والے کے لیے یومیہ دو حدیثیں روایت کرنا سمجھ میں نہ آنے والی بات بالکل نہیں ہے۔

جو روایتیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، ان میں سے اکثر دیگر صحابہ سے بھی مروی ہیں اور جن روایات میں وہ منفرد ہیں، ان کا تعلق ترغیب وترہیب اور اذکار و آداب کے باب سے ہے۔یہ اس کتاب کی بحث وتحقیق کا حاصل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے مصنف کے حق میں ذریعہ نجات بنائے۔آمین

صحابہ کرام اور دیگر اولیاء اللہ کی کرامتیں (قسط24)

محترم قارئین کرام! آپ نے یہ مضمون بالاستیعاب پڑھ لیا ہو گا، یہ مضمون علامہ ڈاکٹر عبد اللہ جولم عمری مدنی کا ہے جو جنوبی ہند کی معروف درسگاہ جامعہ دارالسلام عمر آباد کے ناظم ہیں، انہوں نے تعلیم کے بعد اپنی ساری زندگی مادر علمی جامعہ دار السلام عمر آباد میں خدمت کرتے ہوئے گزار رہے ہیں ،وہ ہمیشہ جامعہ کے KEY POST پر براجمان رہے ہیں، بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ہیں، اس مضمون میں انہوں نے ایک نو مسلم آگار مولانا ضیاء الرحمن اعظمی عمری مدنی سعودی کی ایک کتاب جو انہوں نے ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں اپنے ماجیسٹر M. A پر ایک مقالہ لکھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ اور اس کتاب کا نام ”أبو هريرة في ضوء مروياته“ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی روایات کی روشنی میں) رکھا۔

ڈاکٹر ضیا الرحمن اعظمی عمری مدنی کی کتاب کا خلاصہ پیش کر دیا ہے! اس کتاب کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ ہر زمانہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر اعتراضات کرتے آرہے ہیں، اپنے بھی یعنی بعض مسلمان بھی اور غیر بھی کہ مختلف دین کے دشمنوں یعنی مستشرقین نے ان کی شخصیت پر معترض رہے کہ سب سے آخر میں ایمان لانے کے باوجود اتنی زیادہ احادیث کیسے روایت کی ہیں،

جب بھی حدیث کا کوئی صفحہ کھولیں، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام نامی اور اسم گرامی آتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر فہم حدیث کے (نعوذ باللہ) بہت سی احادیث روایت کر دی ہیں۔

جبکہ دیگر راویان حدیث فہم کے ساتھ روایت کی ہیں۔ اس لئے ان کی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ان کے اس اعتراض کا معقول جواب آج تک کسی نے نہیں دیا، یہاں تک کہ اللہ پاک نے یوپی انڈیا کے ایک مذہبی ہندو گھرانہ میں پیدا ہونے والے ”بانکے رام“ کو اسلام کی دولت سے نوازا اور جامعہ دار السلام عمر آباد سے 9 سالہ کورس 6 سال میں مکمل کر کے مدینہ یونیورسٹی سے شریعت میں بکالوریس (B.A) اور ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے ماجستیر (MA) کیا اور ایم اے مقالہ کے لئے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مروی روایات کا انتخاب کیا اور اپنے مقالے میں یہ ثابت کیا کہ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی کل تعداد 5374 ہے، جس میں مختلف اسانید شامل ہیں ، خالص متون احادیث دو ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، انہوں نے جو ایام خدمت نبوی میں گزارے ہیں، وہ تقریباً دو ہزار ہیں ، اس طرح روزانہ اوسطاً دو دو حدیثیں ہوئیں ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح رہنے والے صحابی کے لئے یومیہ دو حدیثیں روایت کرنا سمجھ میں نہ والی بات بالکل نہیں ہے۔“

ڈاکٹر جولم کا اس مقالہ کا خلاصہ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا۔اللہ پاک نے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی عمری مدنی کے دل و دماغ میں اس کا جواب اِلقاء (الہام) کیا اور 77 سال کی عمر میں یوم عرفہ کے دن نماز ظہر کے دوران مدینہ منورہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون!

جنت البقیع کے ایک خاص حصے میں جہاں صحابہ کرام، صحابیات، اہل بیت اور رسول ﷺ کے جگر گوشوں سمیت دس ہزار سے زائد پاک ہستیاں آسودۂ خاک ہیں، وہاں مدفون ہوئے تو کیا یہ شخص اللہ کا ولی کہلانے کا مستحق نہیں ہے؟

میرا دل تو کہتا ہے کہ مسجد نبوی کا یہ مدرس، بے شک اللہ کا ولی ہے ۔ ان شاءاللہ ثم ان شاء اللہ۔ (جاری ہے)

☆☆☆



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

ایضاح الحقّ الصّریح
فی احکام المیّت والضّریح

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔الحمد للّٰہ الّذی یحی و یمیت و ھو علی کلّ شیئٍ قدیر۔ والصّلوۃ و السّلام علی اکر م الخلق محمدن البشیر النّذیر الّذ ی بعثہ اللّٰہ الی النّاس کا فّۃً و سمّاہ بالسّرا ج المنیر وعلی آلہ واصحابہ الّذین فازو بنصرۃ الدّین و خبۃ المشرکین بلسان المناظرۃ و سیف التدمیر ۔

اما بعد: مخفی نماند کہ دریں جز و زما ن شو ر ش اہل بدعت و طغیا ن بحدّے رسیدہ کہ در اکثر عبادات و عا دا ت و معا شرت و معا ملا ت سنت سنیّہ جنا ب افضل البریّا ت علیہ افضل الصلوۃ و التسلیما ت بانوا ع بدعا ت و منکرا ت مخلو ط گر دیدہ ہر چند ایں خلط قبیح در اکثر عبا دات و عا دا ت راہ یا فتہ ۔ اما در رسو م متعلقہ باموات انوا ع شر ک و بدعا ت بو جہے مترا کم گر دیدہ کہ از سنتِ سنیّہ بجز نامے باقی نما ندہ بنا بر ینفضا ئل مآب، کما لا ت اکتسا ب ،سلا لہ خا ندا نِ ار با ب معقول و منقو ل، نقا دہ دو د مانِ افاضل فحول، مشفقی مکر می مو لوی تفضل علی صا حب را خوا ہش تمیز فیما بین السنۃ و البدعۃ در رسوم مذ کور بہم رسید ،بنائً علیہ از بندہ ضعیف الرا جی ر حمۃ اللہ الجلیل ا حقر العباد محمد اسما عیل عفی عنہ استفسار ایں معنی فر مود ہ۔

پس بندہ ضعیف اجو بہ مسا ئل مستفسرہ را در ضمن چند اورا ق مفصل و مد لل گر دا نیدہ ، آ ن را بایضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضر یح مسمے نمودہ و آ ن را بر یک مقدمہ و دو با ب و یک خا تمہ مر تب ساخت۔ و ما تو فیقی ا لّا باللّٰہ ہو حسبی و نعم الوکیل

مقد مہ۔ در بیا ن حقیقت بد عت و حکم آ ں، و آ ن بر دو فصل ست:

فصل او ل در بیا ن حقیقتِ بدعت

با ید دا نست کہ لفظ بدعت کہ در حد یث شر یف مستعمل گر دیدہ ،معنی آن ہم از حد یث شر یف تحقیق با ید کر د زیرا کہ مثل مشہور است تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ پس میگو ئیم کہ امام احمدؒ و ابو دا ؤدؒ و ترمذیؒ و ابن ما جہؒ از عر با ضؓ بن ساریہ نقل کر دہ اند:

قال صلّی بنا رسول اللّٰہ ﷺ ذا ت یوم، ثم اقبل علینا بوجھہ فوعظنا موعظۃً بلیغۃً ذرفت منھا العیون وجلت منھا القلوب فقال ر جل یا رسول اللّٰہ کان ھذہ موعظۃ مودعٍ فاوصینا فقال اوصیکم بتقوی اللّٰہ و السّمع و الطّاعۃ وان کان عبداً حبشیاً فانّہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنّتی و سنّۃ الخلفاء الرّا شدین المھدیّین تمسّکوا بھا وعضّوا علیھا بالنوا جذ وایّا کم و محد ثا ت ا لامور فانّ کلّ محد ثۃٍ بدعۃ و کلّ بدعۃ ضلا لۃ.

بخاری و مسلم از حضرت عا ئشہ نقل کردہ اند:

قالت قال رسول اللہ ﷺ من ا حدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ ۔

و نیز بخاری و مسلم از انسؓ بن ما لک نقل کردہ اند

قال جاء ثلاثۃ رھطٍ الی بیو ت ازوا ج النّبیّ ﷺ یسئلون عن عبادۃ النّبیّ ﷺ فلما ا خبروا کانھم تقالوھا فقا لوا و این نحن من النّبیّ ﷺ قد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ و ما تأخّر فقال احدھم امّا انا فانی اصلّی ا للّیل ابداً و قال الآ خر انا ا صوم الد ھر ابداً ولا افطر وقال ا لآخر انا اعتزل النّساء فلا ا تزوج ابداً فجاء النّبیّ ﷺ الیھم فقال انتم الّذین قلتم کذا وکذا اما واللّٰہ انّی لاخشاکم للّٰہ و اتقاکم لہ لکنّی اصوم و افطر واصلّی و ارقد و اتزوج النّسا ء فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی ۔ بخاری نمبر ۵۰۶۳

ہر چند ا حا دیث مر ویہ دریں با ب کثیر اند اما بر یں ا حا دیث ثلا ثہ در ایں مقا م اکتفا کردہ شد تا احادیث دیگر را بر آں قیاس توا ں کرد ۔ پس با ید دا نست کہ از ا حا دیث ثلا ثہ مرقو مہ چنا ں مستفاد گر دیدہ کہ بدعت بر دو وجہ می باشد

اول آ نکہ خود آں چیز فی نفسہ محد ث باشد و آں مفاد حد یث اول است۔

دو م ۔ آ نکہ در امر ما ثور چیزے از کمی و بیشی ما ہیا ت جدیدہ احدا ث کردہ باشد

بالجملہ امر ما ثورہ را بر وجہی ادا نما یند کہ برا ں و جہ ما ثور نیست و آ ن مفا د حد یثین آ خر ین است ۔ پس او ل را بدعت اصلیہ میگو یم و ثا نی را بدعت و صفیہ ۔ پس مفہو م ایں ہر دو قسم را در بحث ایضا ح با یدکر د

بحث او ل در تحقیق مفہوم بدعت اصلیہ،

با ید دا نست کہ تحقیق بدعت اصلیہ مو قوف است بر تحقیق مفہو م دو کلمہ از حد یث مسطور اول، مفہو م کلمہ محدثا ت و ثا نی مفہو م کلمہ امور ۔ اما تحقیق مفہو م کلمہ او لی پس با ید دا نست کہ لفظ احدا ث مستعمل میشو د بر استخرا ج چیز ے جد ید و متبا در ازاں در عر ف آ نست کہ خو د آں چیز در زما ن سا بق موجود نہ باشد و نہ نظیر آ ں، مثلاً

دوختن قبائے نو و پختن نا ن تازه و سا
ختن شمشیر جد ید را اہل عر ف ا
حدا ث لباس جد ید و طعا م جد ید
و سلا ح جد ید نمی گو یند پس گو یا
که و جود نظیر شئے در زما ن سا بق
در حکم و جو د نفس آن شئے است ۔
پس اگر چه نفس شیء جدید در زما
ن سا بق حقیقةً موجود نه بو د اما
حکماً مو جود بود نظیر خود، پس
محدث ہما ن چیز است که در زما ن
سابق نه حقیقةً مو جود باشد و نه
حکماً، زیرا که آ ن چه در زما ن سا بق
خود موجود با شد آں را از قبیل سنت
حقیقیه باید شمر د و آ نچه نظیر او
در آن زما ن مو جود باشد آ نرا از قبیل
سنت حکمیه، و دلیل بر آن آنست که
قیاس در احکام مشروع ست بحکم کر
یمه فاعتبروا یا اولی الابصار،
و ا حدا ث ممنوع بحکم ا حا دیث مذ
کوره ۔ پس ا حدا ث غیر قیاس باشد
و مراد از زما ن سا بق از ما نحن فیه
زما ن بر کت نشا ن جنا ب سید المر
سلین علیه الصلوة والسلام و زما ن
خلفاء راشدین و صحا به معظمین و تا
بعین ر ضوا ن الله علهم اجمعین ست
۔ پس محد ث ہما ں چیز ست که د
ر آن از منه متبر که نه خودش بوجود
آمده باشد و نه نظیر آن ،زیرا که آنچه
خو دش یا نظیر او در زما ن آ نجنا ب
خود موجود باشد آ ن را از قبیل سنت
حکمیه و دلیل بران آ ن ست که قیاس
در احکام مشروع ست بحکم
فاعتبروا یا اولی ا لابصار ۔
و ا حدا ث ممنوع بحکم ا حا دیث
مذکوره ، پس غیر قیاس شده و مراد
او در زما ن سا بق ازما نحن فیه زمان
بر کت نشا ن جناب سید المر سلین
علیه الصلوة والسلام و زما ن خلفاء
راشدین و صحا به معظمین و تا بعین
رضوان الله علیهم اجمعین ست۔ پس
محدث ہمان چیز است که در آ ن از
منه متبر که نه خودش بو جود آ مده
باشد و نه نظیر آ ں ، زیرا که آ نچه خو
دش یا نظیر او در زما ن آ نجنا ب بو
جود آ مده با شد آ ن را سنت اصلیه
با ید شمر د و آ نچه خودش یا نظیر
او در زما ن ثلا ثه بو جود آ مده با شد
ملحق با لسنه و دلیل بریں آ نست که
ما ممنوع ایم از اتبا ع محد ثا ت بحکم
ایا کم و محد ثات الامور در حد یث
مرقومة الصدر واقع گر دیده۔ ما
موریم باتباع امور مسطوره بحکم
علیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الرّاشدین
المهد ییّن که در ہما ں حد یث واقع
گر دیده و بحکم آنچه تر مذی از عبد
الله بن عمر روا یت کر ده :

قال قال رسول الله ﷺ لیأتینّ علی
امّتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو
النّعل بالنّعل حتّی ان کان منهم من اتی
امّه علانیةً لکان فی امّتی من یّصنع
ذلک و انّ بنی اسرا ئیل تفرّقوا علی
ثنتین و سبعین فرقة و ستفترق امّتی
علی ثلاث و سبعین ملّة کلّهم فی النّار
الّا ملّة وا حدة، قالوا من هی یا رسول
اللّه، قال ما انا علیه و اصحابی

و نیز محد ثا ت ا لا مور شرّ ست بحکم
شرّ الامور محدثاتها که در حد یث
مرقوم الصددر واقع گر دیده و قرو ن
ثلا ثه خیر اند بحکم آ نچه بخاری و
مسلم از عمرا ن بن حصین روا یت
کرده اند:

قال قال رسول الله ﷺ خیر امّتی
قرنی ثمّ الّذین یلونهم ثمّ الّذین یلونهم
ثمّ ان بعدهم قوماً یشهدون ولا
یستشهدون و یخونو ن ولا یؤ تمنون و
ینذرون ولا یوفون و یظهر فیهم
السّمن ۔

پس محدثا ث غیر سنت اصلیه و غیر
ملحق با لسنه با شد و مراد بو جود آ
ن شیء یا نظیر او در زمان آ نجنا ب آ
ن است که آ نجنا ب بآ ن عمل کرده
با شند یا امر فر مو ده باشند و یا کسے
دیگر در آ ں زما ن عمل کرده با شند
و آ نجنا ب باو جود اطلاع بر آ ن انکار
نفر مو ده با شند و دلیل بر آ ن آ نست
که ہمه اہل اسلام اجماع دارند
بر ینکه ہر سه اقسا م مذ کور در سنت
مند ر ج سے و مراد از و جود آ ں چیز
یا نظیر او در قرون ثلا ثه آ نست که در
قر نے از قرو ن مذ کوره بلا نکیر تعا مل
بآ ں جا ری شد ه باشد و بے رد و قدح
روا ج یافته باشد نه آ نکه کسی او را
بطر یق ند ر ت بعمل آ ورده با شد یا
رد و انکار بر فا علین آ ں اگر چه جم
غفیر با شند متو جه شده باشد که امثا
ل ایں امور اصلاً از محد ثا ت خا ر
ج نیست و دلیل بر یں آ نست که مراد
از کلمه نادر حد یث ما انا علیه و ا
صحا بی ا خلاق و سیرت صحا به
بحکم آ نچه ر زین از ابن مسعود روا
یت کر ده ست :

انّه قال من کان مستنا فلیستن بمن
قد مات فانّ الحیّ لا یؤمن علیه الفتنة
و اولئک اصحاب محمد ﷺ کانوا
افضل هذه الامّة و ابرّها قلوباً و
اعمقها علماً و اقلّها تکلفاً اختارهم اللّه
تعالی لصحبة نبیّه و لاقامة دینه
فاعرفوا لهم فضلهم و ابتغوهم علی
اثرهم و تمسّکو بها ما استطعتم من
اخلاقهم و سیرهم فا نهم کا نوا علی
الهد ی المستقیم

و متبادر از لفظ سیرت که مضا ف
بقو می با شد ہمیں ست که آن سیرت
در ایشا ں مر و ج با شد نه آنکه کسی
از ایشا ں بطریق ند رت بر آ ن سیرت
باشد یا آ نکه طعن و ملا متِ ایشاں
بر صاحب آن سیرت متو جه با شد،
مثلاً خوردنِ گو شتِ خا م اہل عر ف
سیرت اہل ہند نمی گو ئند ہر چند
بعضے ازایشا ں بطر یق ند ر ت خورده
باشند بخلا ف اہل حبش که خور دن
گو شت مذ کور در ایشا ں مر و ج
است، لہذا عا دت مذ کوره در عر ف
از سیرت ایشاں شمر ده میشود ،و نیز
بحکم آ نکه لفظ اصحا بی جمع مکسّر
ست و مضا ف به یا ئے متکلم که آ ن
معرفه است و جمع مکسّر مضا ف
بسو ئے معرفه مفید استغرا ق است
بحکم آ نچه بخا ری و مسلم از ابن

مسعود در حد یث تعلیم تشهّد نقل کر ده اند که پیغمبر خدا ﷺ فرمود : فانّه اذا قال ای کلمة : عباد اللّه الصّالحین ، اصاب کلّ عبد صالح فی السّماء والارض ۔

پس ازیں حد یث مستفاد گر دیده که کلمه عبا د الله مفید استغراق است ۔ پس کلمه اصحا بی ہم مفید استغراق باشد و استغراق حقیقی در ما نحن فیه بایں صورت متحقق خوا ہد شد که جمیع صحا به بر آ ن سیرت باشند و استغراق عر فی بایں و جه خوا ہد شد که اکثر از ایشا ں بر آن با شند باقی ساکت از انکار و رد وہمیں معنی را روا ج میگو ئند و نیز از کلمه خیر امتی قر نی که در حد یث سا بق واقع گر دیده ہمیں معنی مستفاد میگر دد و چه از نسبت خیریت بسو ئے قر نی از قرو ن در عر ف ہمیں معنی متبادر میشود که رسو م مر و جه آ ن قر ن خیر با شند نه آ نکه ہر فعل ہر فر دے از افراد آن قر ن خیر با شد ۔ مثلاً اگر کسے بگو ید که اہل شاه جهان آ باد در زمان محمد شاه بادشاه مسرف بودند اہل عرف ازاں ہمیں معنی خوا ہند فهمید که رسو م مر و جه ایشا ں در شادی و ما تم و مآ کل و ملا بس و مسا کن مشتمل بر اسراف بود گو که بعضے از ایشا ں بطر یق ند ر ت از رسو م مذ کوره مجتنب با شند یا جم غفیر از دہا قین که سکو نت در بلده مذ کوره ا ختیار با شد از رسو م مذ کور مجتنب با شند و بنا برآں اجتنا ب طعن و ملا مت در آ ن زما ن با یشا ں متو جه شده با شد چنا نچه کلمه یظهر الکذ ب که در روا یت نسا ئی در حد یث مذ کور واقع گر دیده بر آن معنی دلا لت صریحه میدارد اگر چه ثم یو جد الکذ ب در مقا م ثم یظهر الکذ ب فر مو ده اند ۔ پس ازیں کلمه صریح مستفاد مے شود که امتیاز قرو ن ثلا ثه از سا ئر قرو ن بعدم ظهور کذ ب است دراں نه بعد م تحقق آن و نیز بحکم فتوی رئیس العلماء شاه عبد العزیز قد س سره که استمداد را بمعنی طلب دعا از اموا ت از جنس بدعا ت شمر ده اند باو جود آ نچه صا حب استیعا ب روا یت کر ده که در زما ن حضرت عمر اعرا بی طلب دعا استسقاء از مزار مبا رک جناب رسا لت مآ ب ﷺ نمو ده ۔پس با و جود تحقق ایں امر مذ کور دراں قر ن بنا بر آ نکه مر و ج دراں قر ن نگردیده از بد عا ت شمر ده اند ۔

بالجمله خلا صه مفهو م محد ث این ست که ہر چیز ے که در زما ن بر کت نشا ن جناب رسا لت مآ ب ﷺ نه خو د آ ن چیز بو جود آ مده باشد و نه نظیر آ ن و در قرو ن ثلا ثه نه خود آ ن چیز بلا نکیر مروج گشته و نه نظیر آ ن پس ہما ں چیز محد ث است و ایں معنی در ذہن محفوظ با ید دا شت ہر جا که دریں اوراق لفظ محد ث مستعمل خوا ہد گر دید ہمیں معنی مراد خوا ہد بود۔

اما تحقق مفهو م کلمه ثا نیه یعنی لفظ امور، پس با ید دا نست که مراد از امور ایں مقا م امر دین است چنا نچه کلمه امر نا در حد یث من ا حد ث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ برا ں دلا لت میدا رد ۔ زیرا که امر ے که مز ید اختصا ص با نبیاء علیهم السلام میدا رد امر دین است و نیز آنچه مسلم از را فع بن خد یج نقل کرده که پیغمبر ﷺ فر موده اند :

انّما انا بشر اذا امرتکم بشیئٍ من امر دینکم فخذو ه به و اذا امرتکم بشیئٍ من رأئی فانّما انا بشر

دلا لت میدا رد بر ایں که اتبا ع سیرت سلف در غیر امر دین وا جب نیست پس ا حدا ث دراں ممنوع نبا شد و حا لا نکه محد ثا ت ا لا مور را شرّ فر مود اند، پس لا بد مراد از لفظ امور دریں مقام امر دین باشد و مراد از امر دین چیز یست که ا حکا م شا رع بدا ں متعلق میتوا ند شد بحکم اذا امرتکم بشیئٍ من امر دینکم فخذوه به و امر دین بمعنی مذ کور باستقرار منحصر است در عقا ید حقه و ا خلاق جمیله و مقا ما ت و حا لا ت و وا ردات قلبیه و اقوا ل لسا نیه و افعا ل جسما نیه خوا ه از جنس عبادا ت با شد خوا ه از جنس عا دات خوا ه از جنس معا ملا ت چه امر شا رع متو جه میشود با صلا ح انسا ن ظا ہراً و با طناً

پس اصلا ح ظا ہر او حا صل میشود با صلا ح عبادات و عا دا ت و معا ملا ت که مر جع آ ں ہمه افعا ل و اقوا ل اختیار یه است و اصلا ح با طن او حا صل میگر دد بتکمیل عقل و تحصیل عقا ید حقه و تخلیه قلب از ا خلاق ر زیله و تحلیه آن با خلاق حمیده و تنویر آن بانوار مقامات عالیه و واردات غیبیه و حا لات قد سیه و مراد از ا حکا م شا رع دریں مقا م ا حکا م سمعیه ست یعنی احکا مے که بدو ن اعلام شا رع اطلاع براں متصور نیست و عقل محض را دراں مد خل نه و دلیل بر یں آ نست که در شق ثا نی حد یث مسطور فر مو دنده اند و اذا امرتکم بشیئٍ من را ئی پس معلوم شد که مرا دً در شق اول که مقا بل اوست ہمیں است که را ئے را دراں دا خل نبا شد و ا حکا م سمعیه بمعنی مسطور دو قسم است ۔ او ل آنکه چیز ے را از امور مذ کور ه طلب نما یند و بتحصیل آں تر غیب کنند و یا با جتنا ب ازاں امر فر ما یند و تنفیر ازاں بعمل آ رند بایں و جه که فلاں عقیده از ضرور یا ت اصل دین ست یا مکملا ت آن یا از مضر ا ت اصل دین است یا منقصا ت آن مثلاً عقیده تو حید از ضرور یا ت اصل دین ست بحکم آ یا ت متوا تره و عقیده اثبا ت قدر از مکملا ت دین ست بحکم ا حا دیث متوا تره وعقیده شر ک و انکار قدر از مضرا ت اصل دین ست و منقصا ت آن بحکم آیا ت و ا حا دیث مذ کوره یا باین و جه که فلاں خلق محمود است شر عاً یا مذ مو م یعنی صا حب آ ن خلق محل نزو ل ر حمت حق ست یا مورد لعن او تعا لی مثلاً ر حیم القلب

محل نز و ل ر حمت الهيه است بحكم حد يث
الرّا حمون ير حمهم اللّه ـ ـ الخ كه درمشكوة است ـ و قا سى القلب مو رد لعن بحكم حد يث انّ ابعد النّاس من اللّه القلب القاسى كه در مشكوة واقع است۔ يا با ين و جه كه فلاں مقا م مو جب حصو ل قرب حضرت حق است يا مو ر ثِ بعد از آنحضرت يعنى موجب از يادِ و جا ہت عند اللّه است يا مور ث عدم مبا لا ت آ نجنا ب به نسبتِ صا حب آں مقا م، مثلاً متو كل صا حب و جا ہت ست عند اللّه بحكم كر يمه و من يتو كّل على اللّه فهو حسبه ـ و بحكم حد يث : يدخل الجنّة من امّتى سبعون الفاً بغير حسا ب منهم الّذ ين لا يسترقون ولا يتطيّرو ن و هم على ر بّهم يتوكّلون كه در مشكوة واقع است و حر يص بر تتبع اسبا ب مو ہو مه محقر و مہان بحكم حد يث من اتّبع قلبه الشّعب كلّها لم يبال اللّه بایّ وادٍ اهلكه كه در مشكوه واقع است يا با يں وجه كه فلاں وارد جا لب ر ضا ئے حضرت حق است يا با عث سخط او تعا لى مثلاً تفر ديكه عبارت از انقطاع علا ئق ما سوى اللّه است در با ب مو دت و محبت جالب ر ضا ئے حق است بحكم كر يمه :
لا تجد قوماً يؤمنو ن باللّه و اليوم الآخر يوادون من حاد اللّه و رسوله و لوكانوا آ باء هم او ابناء هم او اخوا نهم او عشيرتهم ـ اولئک كتب فى قلوبهم ا لايمان و ايّدهم بروح مّنه و يدخلهم جنّات تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها رضى اللّه عنهم و رضوا عنه
و موالات اعداء حضرت حق باعث سخط او تعالى بحكم كر يمه :
و ترى كثير مّنهم يتولون الّذ ين كفروا لبئس ما قدّمت لهم انفسهم ان سخط اللّه عليهم
يا باين وجه كه فلاں حال متتبع حصول تو جه خا ص است از جناب او تعالى يا مستلزم انقطاع آں مثلاً حال توبه متتبع حصول تو جه خا ص است از جنا ب او تعالى بحكم حد يث :
اللّه اشدّ فرحاً بتوبة عبده حين يتوب اليه من احدكم كان راحلته بارضٍ فلاتٍ فانفلتت منه وعليها طعامه و شرا به فائيس منها فا تى شجرة فاضطجع فى ظلّها و ا ئِيس من راحلته فبينما هو كذلک اذ هو بها قائمة عنده فاخذ بخطامها ثمّ قال من شدّة الفرح اللهم انت عبدى و انا ربّک ، اخطأمن شدّة الفر ح
كه در مشكوه واقع شده است و مدا ہنت فى الدين كه ملقب بصلح كل است مستلز م انقطاع تو جه حضرت حق بحكم حد يث:
قال رسول اللّه ﷺ اوحى اللّه الى جبريل ان اقلب بلد كذا و كذا باهلها فقال يا رب انّ فيهم عبدک فلانا لم يعصيک طرفة عينٍ قال فقال اقلب عليه و عليهم فان وجهه لم يتغير فى ساعة
كه در مشكوة واقع است، يا باين وجه كه فلاں عبادت سبب علو درجات جنت است يا فلاں معصيت علت سقوط در دركات نار۔ مثلاً جهاد سبب علو درجا ت جنت است بحكم كر يمه وفضل اللّه المجاهدين على القاعدين اجراً عظيما درجات منه
و قتل مو من علت سقوط در دركات نار بحكم كر يمه:
و من يّقتل مؤمناً متعمداً فجزا ؤ ه جهنم خالداً فيها ـ
يا باين و جه كه فلاں عا دت عند اللّه مستحسن است و فلا ن مستهجن مثلا مرا عا ت عدد وتر در استعما ل خوشبو و امثال آ ن مستحسن است بحكم حد يث :
و من استجمر فليوتر من فعل فقد ا حسن و من لا فلا حر ج
كه در مشكوة واقع است و خوردن بدست چپ مستهجن بحكم حديث :
لا يأكل ا حدكم بشماله فانّ الشّيطا ن يأكل بشماله
يا باين و جه كه فلاں معا مله نا فع ست در معاد يا مضر مثلاً معا مله تجا رت بصدق و اما نت نا فع است در معاد بحكم حد يث :
التاجر الصّادق ا لامين مع النّبيّين و الصّدّيقين و الشّهداء و الصّالحين
و معا مله ربوا مضر در معاد بحكم كر يمه :
الّذين يأكلون الرّبوا لا يقومون الّا كما يقوم الّذى يتخبّطه الشّيطان من المسّ
و ديگر عبا را ت شا رع را كه در با ب تر غيبا ت و تر هيبا ت ا خر و يه مستعمل مے گردد بر عبارا ت مسطوره قياس با يد كرد و مستفادِ ہمه عبارا ت مستعمله دريں با ب بهميں مضمو ن را جع ميگر دد كه فلاں امر از امور مذ كوره در معاد نا فع است يا ضار ـ پس مجر د تحقيق اينكه فلاں مسئله در نفس ا لا مر حق است يا مذ مو م يا اينكه فلاں مقا م يا وارد يا حا ل مو ر ث كما ل نفسا نى است يا نقصا ن آ ن، يا اينكه فلاں عبا دت يا عا دت يا معا مله مشتمل بر مصا لح دنيويه است يا بر مضار آں و امثال آں از تحقيقات و تدقيقات كه بغرضے از اغراض اخر و يه تعلق نميدارد از ما نحن فيه يعنى مبا حث ا حكا م مذ كوره خارج است واحكا م مذ كوره را احكا م تكليفى مے نامند ـ
قسم ثا نى آنكه چيزيرا ركن عبا دتے از عبادات يا معا ملت از معاملات قرار دہند يا از شروط لوازم اوشمارند يا از ہيئت مكمله او تعين فرمائند و ايں قسم را احكا م وضعى مے نامندكه تفصيل آں انشاءاللّه تعالى عنقريب در بحث ثانى مذ كور خواہد شد ـ
پس مراد از امر دين دريں مقا م ہميں حكم سمعى است اعم از اينكه حكم تكليفى با شد يا حكم وصفى۔ پس خلاصه مفهو م بدعت اصليه چنيں باشد كه ہر عقيده و مقامے و حالے و وار دے و عبا د تے و عا د تے و معا مله كه محد ث با شد بمعنى مذ كور و صا حبش آں رانا فع در معاد فهميده در تحصيل آں سعى نمائد يا مضر در آں دانسته ازاں اجتنا ب در زد يا از ار كا ن و شروط و لوازم عبادتى يا معامله قرار دا ده بعمل آ رد يا از منا فا ت آں شمر ده ازاں اجتنا ب درزد ـ پس آں را بدعت اصليه ميگويم پس از كلمه محدثات الامور كه در حديث اول از احاديث ثلاثه مر قومة الصدر واقع گر ديد مراد ہميں معنى است۔

